ASL-223	Allah / Mohammad Ahadis-i-Nisvaz aur Tibb. 24 pages - Hasiba Shafi Dhar
ASL-224 ✓	Khutbat-i-Madras Naaz Publishing House Delhi Molana Sulaiman Nadvi Kohinoor Printing Press Delhi (1925 AD) (192 pages)
✓ ASL-225 (216 pages)	Katai-Silai Shiksha Shyam Sunder Malhotra Kalyane Litho Press Delhi - 1958 AD

خطبات مدراس



ناز پبلشنگ ہاؤس دہلی

ASL-223	Allah / Mohammad Ahadis-i-Nimaz aur Tibb. 24 pages :- Hasiba Shafi Dhar
ASL-224 ✓	Khutbat-e-Madras Naaz Publishing House Delhi Molana Sulaiman Nadvi Kohinoor Printing Press Delhi. (1925 AD) (192 pages)
✓ ASL-225 (216 pages)	Katai-Silai Shiksha Shyam Sunder Malhotra Kilbane Litho Press Delhi - 1958 AD

ASL-223 — Allah / Mohammad
Ahadis-i-Nisaq aur Tibb.
24 pages - Hasiba Shafi Dhar

ASL-224 — Khutbat-i-Madras
Naaz Publishing House Delhi
Molana Sulaiman Nadvi
Kohinoor Printing Press Delhi (1925 AD)
(192 pages)

ASL-225 — Katai- -Silai Shiksha
Shyam Sunder Malhotra
Kalyan Litho Press Delhi 1958 AD
(216 pages)

خطبات مدراس

مولانا سیّد سلیمان ندوی

ناز پبلشنگ ہاؤس دلّی ۱۱۰۰۰۶

نام کتاب ... ... خطباتِ مدراس

نام مصنّف ... ... مولانا سیّد سلیمان ندوی

طابع
کوہ نور پرنٹنگ پریس دہلی

قیمت ۵/-

تعداد ۱۰۰۰

بہ اہتمام ... ... ارشد پرویز

ملنے کا پتہ

ناز پبلشنگ ہاؤس پہاڑی بھوجلہ، دہلی ۱۱۰۰۰۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ طبع سوم

خدا کا شکر ہے کہ ان خطبات کو جو سرسری طور پر لکھے گئے تھے حد سے زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی اور مسلمانوں کے ہر طبقہ میں یکساں ذوق و شوق کے ہاتھوں سے لئے گئے، اور عقیدت کی آنکھوں سے پڑھے گئے، مدرسوں میں اسکولوں میں مجلسوں میں ہر جگہ وہ پڑھے جاتے ہیں، اور ان سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے یہ جو کچھ ہے وہ خداوند تعالیٰ کا فضل و کرم ہے۔

اس کتاب کے بعض بعض خطبوں میں سیرت محمدی کا دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام کی سیرتوں سے مقابلہ و موازنہ ہے گو وہ تلك الرسل فضلنا بعضهم على بعض کے اصول سے صحیح بھی ہوں تاہم ان موقعوں پر یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہئیے کہ وہ غیر مذہب والوں کے مقابلہ میں الزامی طور پر ہیں اور وہ انبیا کی سیرتوں کو سامنے رکھ کر لکھا گیا ہے جو اس کے ماننے والے مانتے اور ان کی طرف منسوب آسمانی صحیفوں میں مذکور ہیں ورنہ ظاہر ہے ہر نبی اسلام کی نگاہ میں کامل بے عیب اور معصوم تھا اور ان میں سے ہر ایک کی اصلی سیرتیں حسب استعداد و اختلاف زمانہ باہم گو کسی قدر مختلف ہوں، تاہم وہ اعتراض سے بری اور ہر خوردہ گیری سے بالاتر ہیں یہ خطبات پہلے پہل ۱۹۲۶ء میں میری غیر حاضری میں جب میں حجاز میں تھا میرے

گئے پٹے مسودہ سے چھپے تھے، دوسری دفعہ بھی یہی ہوا، اب تیسرے ایڈیشن میں موقع ملا کہ اس پر نظر ثانی کی جاسکے اس پر بھی یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا ہے کہ ایک عاجز انسان کی ہر جنبش قلم ہر اعتراض اور حرف گیری سے پاک ہوسکتی ہے۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَّسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا

خاکسار

سید سلیمان ندوی

۲۷ شعبان ۱۳۵۵ھ

۱۴ نومبر ۱۹۳۶ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

آئندہ صفحات میں سیرت نبوی کے مختلف پہلوؤں پر چند خطبات (لکچر) ہیں جو جنوبی ہند کی اسلامی تعلیمی انجمن کی فرمائش سے اکتوبر و نومبر ۱۹۲۵ء میں دیئے گئے تھے، مدراس میں کچھ برسوں سے ایک امریکن عیسائی کی فیاضی سے مدراس یونیورسٹی کے طلبا کے سامنے کوئی نہ کوئی ممتاز عیسائی فاضل حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات و سوانح اور مسیحی مذہب کے متعلق چند خطبات دیتا ہے، یہ خطبے سال بسال ہوتے ہیں اور نہایت دلچسپی سے سنے جاتے ہیں، یہ دیکھ کر مدراس کے چند تعلیمی کارفرما مسلمانوں کے دلوں میں یہ خیال آیا کہ یہاں کے انگریزی مدارس کے مسلمان طالب علموں کیلئے بھی مسلمانوں کی طرف سے اس قسم کی کوشش کی جائے یعنی سال بسال کسی مسلمان فاضل کے خدمات حاصل کئے جائیں اور اسلام اور پیغمبر اسلام پر طلبا کے انگریزی کے ذوق اور موجودہ رنگ کے مطابق خطبات دے سکے خوش قسمتی سے اس کام کے مالی پہلو کی کفالت کے لئے مدراس میں ایک ایسی ہستی مل گئی جس نے اس کی ضمانت کرلی، یہ سیٹھ ایم جمال محمد صاحب کی ذات تھی جن کی فیاضی سے مدراس کی متعدد تعلیمی درسگاہیں سیراب ہو رہی ہیں، امید ہے کہ موصوف کا اسلامی دل اس سلسلہ کو تادیر قائم رکھنے کی تدبیروں میں آئندہ بھی مصروف رہے گا اور خطبات اسلامیہ مدراس کا یہ سلسلہ یورپ کے

مشہور خطبات کے سلسلوں کی طرح مفید اور شہرت پذیر ہوگا۔

یہ میری سعادت ہے کہ اس اہم اور مقدس کام کیلئے سب سے پہلے میری حقیر ذات کا انتخاب عمل میں آیا اور اس طرح مجھے موقع ملا کہ میں اس عظیم الشان سلسلہ کی پہلی کڑی بن سکوں، یہ خطبے مدراس کے لالی ہال میں مغرب کے بعد ہر ہفتہ اور بعض ہفتہ میں دو دفعہ دیئے گئے اور اس طرح یہ آٹھ خطبے اکتوبر ۱۹۲۵ء کے پہلے ہفتہ سے شروع ہوکر نومبر ۱۹۲۵ء کے آخری ہفتہ میں ختم ہوئے سیٹھ حمید حسن صاحب ناظم مجلس کا شکر گذار ہوں کہ ان خطبات کیلئے ہر قسم کا اہتمام، اعلان اور ان کے انگریزی ترجمہ کا کام انہوں نے انجام دیا، مدراس کی مسلمان پبلک کا ممنون ہوں کہ اس سب بیان کو جو کبھی دو دو اور کبھی تین تین گھنٹے تک جاری رہا انہوں نے صبر و تحمل سے سنا اور اس کی قدر کی غیر مسلم اصحاب بھی شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے اردو آسانی سے نہ سمجھ سکنے کے حقیقت کی جستجو کے ان جلسوں میں شرکت کی۔

مدراس کے اردو انگریزی اخبارات کا بھی شکر گذار ہوں جنہوں نے ہر ہفتہ ان خطبوں کا خلاصہ اپنے کالموں میں چھاپا، اخبار ہند اور ڈیلی ایکسپریس مدراس خصوصیت سے قابل ذکر ہیں جنہوں نے فیاضی کیساتھ اپنے کالم ان خطبوں کی انگریزی تلخیص کی اشاعت کیلئے دیئے۔

آخر میں ان خطبات کو اوراق کی شکل میں ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہوئے درگاہ الٰہی میں سر بسجود ہوں کہ وہ اس عقیدت کے نذرانے کو قبول فرمائے۔ اور اخلاص و توفیق کی نعمت سے ان کے محرر کو مالا مال کرے۔ آمین۔

امیدوار رحمت — سید سلیمان ندوی

دیسنہ بہار
دسمبر ۱۹۲۵ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

حضرات آج پندرہ برس کے بعد مجھے موقع ملا ہے کہ میں آپ کی تعلیمی انجمن مسلم ایجوکیشنل ایسوسی ایشن آف سدرن انڈیا کی طلب پر آپ کی خدمت میں حاضر ہوں اور یہاں آکر آپ کے سامنے سیرۃ نبوی کے مختلف پہلوؤں پر خطبے دوں گا یہ آٹھ خطبے ہوں گے، جو مختلف آٹھ صحبتوں میں آپ کی سامنے پیش ہوں گے، ان کی ترتیب یہ ہوگی۔

۱۔ انسانیت کی تکمیل صرف انبیائے کرام علیہم السلام کی سیرتوں سے ہو سکتی ہے۔

۲۔ عالمگیر اور دائمی نمونۂ عمل صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے۔

۳۔ سیرت نبوی کا تاریخی پہلو

۴۔ سیرت نبوی کی کاملیت

۵۔ سیرت نبوی کی جامعیت

۶۔ سیرت نبوی کی عملیت

۷۔ اسلام کے پیغمبر کا پیغام

۸۔ ایمان و عمل

مدراس نے اپنے نوجوان فرزندوں کو ایک سلسلہ "خطبات اسلامیہ" کے ذریعہ مذہب سے واقف کرنے کا جو طریقہ اختیار کیا ہے، وہ یقیناً ہندوستان کے صوبوں میں ہماری اسلامی تعلیمی انجمنوں کا اس راہ میں پہلا قدم ہے، مدراس کی سرزمین یورپ

ہندوستان میں سب سے پہلا صوبہ ہے جہاں اسلام کی شعاعیں سب سے پہلے آکر چمکیں اور یہ اس وقت ہوا، جب ہندوستان کے کسی گوشہ میں بھی اسلام کے کسی سپاہی کا قدم نہیں پڑا تھا، معجزہ شق القمر کے چاند کی روشنی تھی، جو بحر عرب سے گذر کر بحر ہند کے اس ساحل تک پہنچی اور دلوں کو روشن کر گئی، تحفۃ المجاہدین کی اگر یہ روایت صحیح ہے جس کی تائید ہمارے ایک نومسلم دوست ڈاکٹر غلام محمد کے بیان سے ہوتی ہے کہ انھوں نے خود مدراس میں آکر ہندوؤں کی ایک قلمی سنسکرت کتاب میں بھی اس واقعہ کو بعینہ درج پایا ہے اور جس کو انھوں نے چھپوا بھی دیا ہے، تو ہمیں اس حالت میں مدراس کی ایک اسلامی تعلیمی انجمن کی ایک اہل رشک سبقت پر کوئی تعجب نہیں ہے کہ مدراس میں اسلام کی خدمات میں پہل کرنے کا تاریخی حق آج سے نہیں بلکہ تیرہ سو برس پہلے سے پہنچتا ہے، امید ہے کہ ہندوستان کے دوسرے صوبوں کی اسلامی تعلیمی انجمنیں اس کی تقلید کریں گی۔

حضرات!! اس وقت میں آپ کے سامنے اردو میں تقریر کر رہا ہوں، گو اردو زبان نے ہندوستان میں اتنی ترقی کر لی ہے کہ وہ ملک کے ہر گوشہ میں بولی اور سمجھی جاتی ہے، تاہم میں محسوس کرتا ہوں کہ مدراس کے لئے مناسب یہ تھا کہ یہ لکچر انگریزی زبان میں ہوتے تا کہ ان کے فائدے کا دائرہ زیادہ وسیع ہوتا، اردو والے بھی اس میں شریک ہو سکتے اور دلچسپی لے سکتے اور جو اردو بالکل نہیں سمجھتے یا پوری طرح نہیں سمجھتے اسی سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ علماء پر آج انگریزی جاننا بھی فرض ہو گیا ہے، خدا کرے کہ وہ دن آئے جب ہمارے علماء خدا کا پیغام خدا کی ہر بنائی ہوئی زبان میں دنیا کو پہنچا سکیں۔

———:::———

پہلا خطبہ

انسانیت کی تکمیل صرف انبیائے کرام علیہم السلام کی سیرتوں سے ہو سکتی ہے

دنیا کا یہ طلسمی کارخانہ رنگارنگ عجائبات سے معمور ہے، قسم قسم کی مخلوقات ہیں، ہر مخلوق کی علیحدہ علیحدہ صفتیں اور خاصیتیں ہیں، جمادات سے لیکر انسان تک اگر نظر ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ بتدریج اور آہستہ آہستہ ان میں احساس اور ادراک اور ارادہ کی ترقی ہوتی جاتی ہے، جمادات کی ابتدائی قسم مثلاً ذرات (ایٹمز) یا ایتھر ہر قسم کے احساس، ادراک اور ارادہ سے خالی ہے، جمادات کے اور اقسام میں ایک طرح کی زندگی کا ہلکا سا نشان ملتا ہے، نباتات میں احساس کی ایک غیر ارادی کیفیت نشو ونما کی صورت میں جلوہ گر معلوم ہوتی ہے، حیوانات میں احساس کے ساتھ ساتھ ارادہ کی حرکت بھی ہے، اور انسان میں احساس، ادراک اور ارادہ پورے کمال کے ساتھ پایا جاتا ہے، یہی احساس، ادراک اور ارادہ ہماری تمام ذمہ داریوں کا اصلی سبب ہے، مخلوق کی جس صنف میں جس حد تک یہ چیزیں کم ہیں اسی حد تک وہ ارادی فرض کی ذمہ داری سے آزاد ہے، جمادات سرے سے ہر قسم کے فرائض سے آزاد ہیں، نباتات میں زندگی اور موت کے کچھ فرائض پیدا ہو جاتے ہیں حیوانات

ہیں کچھ اور فرائض بڑھ جاتے ہیں انسانوں کو دیکھئے تو وہ فرائض کی پابندیوں سے سراسر جکڑا ہوا ہے، پھر انسان کے مختلف افراد پر نظر ڈالئے تو مجنوں پاگل، بیوقوف، بچے ایک طرف اور عاقل، بالغ، دانا، ہوشیار، عالم دوسری طرف اسی احساس اور ارادہ کی کمی بیشی کے لحاظ سے اپنے فرائض کچھ نہیں رکھتے یا کم رکھتے ہیں، یا بہت زیادہ رکھتے ہیں۔

دوسری حیثیت سے دیکھئے، کہ جس مخلوق میں احساس، ادراک اور ارادہ کی جتنی کمی ہے، اتنی ہی فطرت اور قدرت الٰہی اس کی پرورش اور نشو ونما کے فرائض کا بار خود اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہے اور جیسے جیسے مخلوقات آنکھیں کھولتی جاتی ہے فطرت اس کے بار کو اس کے احساس و ادراک اور ارادہ کے مطابق ہر صنف مخلوق پر ڈالتی جاتی ہے، پہاڑوں کے لعل وگوہر کی پرورش کون کرتا ہے؟ سمندر کی مچھلیوں کو کون پالتا ہے؟ جنگل کے جانوروں کی خور دبرد اخت کا فرض کون انجام دیتا ہے؟ حیوانات کی دیکھ بھال کون کرتا ہے، یہاں تک کہ سرد و گرم مقامات کے رہنے والے حیوانوں اور پہاڑی جنگلی یا صحرائی جانوروں میں بھی باوجود ایک ہی قسم کے نوع حیوان ہونے کے آب وہوا کی مختلف ضروریات کی بنا پر آپ ان کی ظاہری حالت میں صریح فرق پائیں گے، یورپ کے کتے اور افریقہ کے کتے کی ضرورتوں میں موسم اور آب وہوا کے اختلاف کے سبب سے جو اختلاف ہے اس کا سامان بھی فطرت خود اپنی طرف سے کرتی ہے، اور اسی لئے مختلف آب وہوا اور موسم کے ملکوں کے جانوروں میں پنجہ، بال، روئیں، کھال کے رنگ، اور ان چیزوں میں سخت اختلاف پائے جاتے ہیں۔

قوتیں اس کی ہر قسم کی ظاہری کمزوری کی تلافی کرتی ہیں وہ اپنی ان معنوی قوتوں سے بڑے بڑے دانتوں اور سونڈوں والے ہاتھیوں کو زیر کر لیتا ہے، تیز پنجے اور بڑے بڑے جبڑے والے شیروں کو چیر ڈالتا ہے، خوفناک زہریلے سانپوں کو پکڑ لیتا ہے، پانی کے جانوروں کو پھنسا لیتا ہے، اور اپنے بچاؤ کے لئے سینکڑوں قسم کے ہتھیار اسلحہ اور سامان پیدا کرتا ہے۔

دوستو! تم خواہ کسی مذہب اور کسی فلسفہ کے معتقد ہو تم کو یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ تمہاری انسانی ذمہ داری کا اصلی سبب تمہارے احساس، ادراک، تعقل اور ارادہ کی قوتیں ہیں، اسلام میں ان ذمہ داریوں کا نام شرعی تکلیف ہے، یہ تکلیف خود تمہارے اندرونی اور بیرونی قویٰ کے مطابق تم پر عائد ہے، اسلام کا خدا یہ اصول بتاتا ہے۔

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا — خدا کسی نفس کو تکلیف نہیں دیتا لیکن اس کی وسعت کے مطابق۔

یہی تکلیف کی ذمہ داری اور فرض ہے جو دوسری جگہ امانت کے لفظ سے قرآن میں ادا ہوا ہے، یہ امانت کا بار جمادات، حیوانات بلکہ بڑے پہاڑوں اور اونچے آسمانوں کے سامنے پیش کیا گیا، لیکن ان میں سے کوئی اٹھا نہ سکا۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَھَا وَاَشْفَقْنَ مِنْھَا وَحَمَلَھَا الْاِنْسَانُ اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوْمًا جَھُوْلًا ط — ہم نے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر اس امانت کو پیش کیا تو انہوں نے فطری عدم صلاحیت کی بنا پر زبان حال سے اسکے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈرے

پھر انسان نے اس کو اٹھا لیا اور بے شک وہ
ظالم اور نادان تھا۔

آسماں بار امانت نتوانست کشید　　قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

ظالم و نادان دیوانۂ عشق کی دوسری تعبیر ہے "ظالم" یعنی اپنی حد سے آگے بڑھ جانے والا، یہ صفت انسان کی عملی قوت کی بے اعتدالی کا اور جاہل و نادان ہونا اس کی عقلی و ذہنی قوت کی بے اعتدالی کا نام ہے "ظلوم" کا مقابل "عادل" اور جہول کا مقابل "عالم" ہے، عدل اور علم جو بالفعل انسان کو حاصل نہیں ان کو حاصل کرنے کے لئے اس کی عملی قوت میں عدل یعنی میانہ روی اور اعتدال اور ذہنی قوت میں "علم" اور معرفت کی ضرورت ہے، قرآن مجید کی اصطلاح میں عدل کا دوسرا نام "عمل صالح" اور علم کا دوسرا نام "ایمان" ہے۔

وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ

زمانہ کی قسم بے شک انسان ٹوٹے میں ہے لیکن وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک کام کئے۔

یہ نقصان اور گھاٹا وہی ظلم عملی اور جہل علمی ہے، اور اس کا علاج ایمان یعنی علم صحیح اور عدل یعنی عمل صالح ہے، اس واقعہ کی شہادت میں انسانیت اس وقت تک گھاٹے اور ٹوٹے میں ہے، جب تک اس کو ایمان اور عمل صالح کی توفیق نہ ملے اللہ تعالیٰ نے زمانہ کو پیش کیا ہے، زمانہ سے مقصود وہ واقعات، حوادثات و آثار ہیں جو زمانہ کے آغاز سے آج تک دنیا میں ظہور پذیر ہوئے ہیں اکارلائل کے مشہور فقرے کے مطابق تاریخ صرف بڑے لوگوں کی سوانح عمریوں کے سلسلہ کا نام ہے، از زمانہ کی تاریخ تو

خود اس بات کی گواہ ہے کہ دنیا میں وہ تمام قومیں اور قوموں کے وہ تمام افراد ہمیشہ گھاٹے اور ٹوٹے میں رہے ہیں اور برباد اور ہلاک ہوئے ہیں جو ایمان اور عمل صالح سے محروم تھے۔

دنیا کے تمام صحیفے، تمام مذہبی کتابیں، تمام اخلاقی قصے اور انسانوں کے بننے بگڑنے کی تمام حکایتیں، ظلم اور جہل و ایمان و عمل صالح کی دو رنگیوں سے معمور ہیں، ایک طرف ظلم و جہل، شر تاریکی دوسری طرف عمل و عدل صالح خیر اور نور کی حکایتیں داستانیں اور تاریخیں ہیں، اور جن افراد نے ان انسانی ذمہ داریوں کو قبول کیا ان کی تعریف اور جنھوں نے ان سے انکار کیا ان کی برائی کے بیانات ہیں، یونانی، الیڈز، رومی، پیرس، لاٹوز، ایرانی شاہنامہ، ہندی مہابھارت، رامائن، اور گیتا کیا ہیں، ہر قوم کے سامنے اس کے بڑے بڑے اشخاص اور اکابر و رجال کی زندگیوں سے علم و جہل. ظلم و عدل، خیر و شر اور ایمان و کفر کی معرکہ آرائیوں کی عبرت آموز مثالیں ہیں تاکہ ہر قوم ظلم و شر اور کفر کے برے نتیجوں سے بچ کر عدل اور خیر اور ایمان کی مثالوں سے فائدہ اٹھائے

توراۃ، انجیل اور زبور اور قرآن پاک کے بیشتر مضامین کیا ہیں، مظالم، شریر اور کافر قوموں اور افراد کی تباہی اور عادل نیک اور مومن قوموں اور افراد کی سعادت اور فلاح و کامیابی کی نظریں تاکہ ان کو سن کر ظالم عادل بنیں، شریر نیک ہوں اور کافر مومن بن جائیں، اسی لئے خاتم النبیین علیہ السلام سے پہلے ہر زمانہ میں اور ہر ملک میں خدا کے پیغمبر اور فرستادے آئے کہ وہ اپنی قوموں کے سامنے اپنی زندگی نمونے کے طور پر پیش کریں تاکہ ان کی پوری قوم یا نیک افراد فلاح و کامیابی حاصل کریں اور آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمت بنا کر بھیجا گیا تاکہ وہ تمام عالم کیلئے

دنیا میں اپنی زندگی کا نمونہ ہمیشہ کے لئے چھوڑ جائیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے قرآن مجید نے اعلان کیا۔

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۔ تو اے قریشیو! میں اس دعوے نبوت سے تمہارے درمیان ایک عمر رہا ہوں کیا تم نہیں سمجھ

اس آیت پاک میں درحقیقت وحی الٰہی نے خود اپنے پیغمبر کی سوانح عمری اور سیرت کو اس کی نبوت کے سامنے ثبوت میں پیش کیا ہے۔

بہرحال تاریخ کی دنیا میں ہزاروں لاکھوں اشخاص نمایاں ہیں جنہوں نے آنے والوں کے لئے اپنی زندگیاں نمونے کے طور پر پیش کی ہیں، ایک طرف شاہان عالم کے باشان وشوکت دربار ہیں، ایک طرف سپہ سالاروں کی جنگی پیرے ہیں ایک طرف حکماء اور فلاسفروں کا تمکین گروہ، ایک طرف فاتحین عالم کی پر جلال صفیں ہیں ایک طرف شعراء کا بزم رنگین ہے، ایک طرف دولت مندوں اور خزانوں کے مالکوں کی نرم گدیاں اور کھنکھناتی تجوریاں ان میں ہر ایک کی زندگی آدم کے بیٹیوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے، کارتھیج، کا ہینیبال، مقدونیہ کا سکندر، روم کا سیزر، یورپ کا نپولین، ہر ایک کی زندگی ایک کشش رکھتی ہے، سقراط، افلاطون، جالینوس اور یونان کے دوسرے مشہور فلسفیوں سے لے کر اسپنسر تک تمام حکماء اور فلاسفروں کی زندگی میں ایک خاص رنگ نمایاں ہے، نمرود، فرعون اور ابو جہل ابو لہب کی دوسری شخصیتیں ہیں، قارون کی ایک الگ زندگی ہے، غرض دنیا کے اسٹیج پر ہزاروں قسم کی زندگیوں کے نمونے ہیں جو بنی آدم کی عملی زندگی کے لئے سامنے ہیں، لیکن بتاؤ کہ ان مختلف افراد انسانی میں سے کس کی زندگی نوع انسان کی سعادت فلاح و ہدایت

کی ضامن اور کفیل اور اس کے لئے قابل تقلید نمونہ ہے۔

ان لوگوں میں بڑے بڑے فاتح اور سپہ سالار ہیں جنہوں نے اپنی تلوار کی نوک سے دنیا کے طبقے الٹ دیئے ہیں، لیکن کیا انسانیت کی فلاح و ہدایت کے لئے انہوں نے کوئی نمونہ چھوڑا۔ کیا ان کی تلوار میدان جنگ سے آگے بڑھ کر انسانی اوہام و خیالات فاسدہ کی بیڑیوں کو بھی کاٹ سکی، انسانوں کے باہمی برادرانہ تعلقات کی گتھی بھی سلجھا سکی، انسانی معاشرت کا کوئی خاکہ پیش کر سکی ہماری روحانی مایوسیوں اور ناامیدیوں کا کوئی علاج بنا سکی، ہمارے دلوں کی ناپاکی اور زنگ کو مٹا سکی؟ ہمارے اخلاق اور اعمال کا کوئی نقشہ بنا سکی؟

دنیا میں بڑے بڑے شاعر بھی پیدا ہوتے ہیں، لیکن خیالی دنیا کے یہ شہنشاہ عملی دنیا میں بالکل نکمے ثابت ہوئے، اسی لئے افلاطون کے مشہور نظام حکومت میں ان کے لئے کوئی جگہ نہیں رکھی گئی، ہومر سے لے کر آج تک فوری جوش و ہنگامہ کی پیدائش اور خیالی لذت و الم کی افزائش کے سوا نسل انسانی کو اس کی زندگانی کے مشکلات دور کرنے کے لئے یہ لوگ کوئی صحیح مشورہ نہ دے سکے، کیونکہ ان کی شیریں زبانیوں کے پیچھے ان کے حسن عمل کا کوئی خوشنما نمونہ نہ تھا، اسی لئے قرآن پاک نے کہا۔

وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ (شعراء)

اور شاعروں کی پیروی بہکے ہوئے لوگ کرتے ہیں کیا تو نہیں دیکھتا کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے رہتے ہیں اور وہ لوگ جو کہتے ہیں اس کو کرتے نہیں لیکن وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک کام کئے

قرآن پاک نے ان کی شیریں زبانی کے لئے بے اثر ہونے کا فلسفہ بھی بتادیا کہ وہ خیالات کی وادیوں میں بھٹکتے رہتے ہیں اور ایمان وعمل صالح کے جوہر سے خالی ہوتے ہیں، لیکن اگر وہ اس دولت سے مالا مال ہوں تو کچھ نہ کچھ انکی باتوں میں ضرور اثر ہوگا، تاہم وہ اصلاح وہدایت کے عظیم الشان فریضہ کو ادا نہیں کر سکتے، دنیا کی تاریخ خود اس بات کی گواہ ہے۔

علماء اور فلاسفر جنہوں نے بارہا اپنی عقل رسا سے نظام عالم کے نقشے بدل دیئے ہیں، جنہوں نے عجائب عالم کی طلسم کشائی کے حیرت انگیز نظریئے پیش کئے ہیں، وہ بھی انسانیت کے نظام ہدایت کا کوئی عملی نقشہ پیش نہ کر سکے اور نہ فرائض انسانی کی طلسم کشائی کوئی عملی امداد دے سکے کہ انکی دقیق نکتہ سنجیوں اور بلند خیالوں کے پیچھے بھی حسن عمل کا کوئی نمونہ تھا ارسطو نے فلسفہ اخلاق کی بنیاد ڈالی، ہر یونیورسٹی میں اس کی ایتھکس پر بہترین لکچر دیئے جاتے ہیں، اور اخلاقی مسائل میں اس کی نکتہ آفرینیوں کی داد دی جاتی ہے، لیکن سچ بتاؤ اس کو پڑھ کر یا سن کر نوع انسانی کے کتنے افراد راہ راست پر آئے، آج دنیا کی ہر یونیورسٹی میں ایتھکس کے بڑے لائق پروفیسر اور اساتذہ موجود ہیں، مگر ان کے علم اخلاق کے فلسفیانہ رموز اور اسرار کا دائرہ اثر ان درسگاہوں کی چہار دیواری سے کبھی آگے نہ بڑھا سکا، یا بڑھ سکتا ہے، اس لئے کہ جب ان کمروں سے نکل کر وہ باہر میدان میں آتے ہیں تو ان کی عملی زندگی، عام افراد انسانی سے اینچ بھی بلند نہیں ہوتی اور انسان کانوں سے نہیں آنکھوں سے بنتا ہے۔

دنیا کے اسٹیج پر بڑے بڑے بادشاہ حکمران ہوئے ہیں، جنہوں نے کبھی کبھی چار دانگ عالم پر حکومت کی ہے، قوموں کی جان و مال پر قابض ہوئے ہیں، ایک ملک کو اجاڑا دوسرے کو بسایا ہے، ایک قوم کو گھٹایا اور دوسری کو بڑھایا ہے ایک کو چھینا ایک کو دیا ہے۔ مگر ان کا عام نقشہ وہی رہا جس کو قرآن مجید نے ایک آیت میں ملکہ سبا کی زبان سے ادا کیا ہے۔

إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً (سبا ع ۳)

بے شک بادشاہ جب کسی آبادی میں داخل ہوتے ہیں تو اسکو بگاڑ دیتے ہیں اور وہاں کے معزز باشندوں کو ذلیل کر دیتے ہیں

ان کی تلواروں کی دھاک نے آبادیوں اور مجمعوں کے مجرموں کو روپوش کر دیا لیکن تنہائیوں اور خلوت خانوں کے روپوش مجرموں کو وہ باز نہ رکھ سکی، انہوں نے بازاروں اور راستوں میں امن و امان قائم کیا، لیکن دلوں کی بستی میں وہ امن و امان قائم نہ کر سکے، انہوں نے ملک نظم و نسق درست کیا، لیکن روحوں کی مملکت کا نظم و نسق ان سے درست نہ ہو سکا، بلکہ ہر قسم کی روحانی بربادی انہیں کے درباروں سے نکل کر ہر جگہ پھیلتی رہی، کیا سکندر اور سیزر جیسے بڑے بڑے بادشاہ بھی ہمارے لئے کچھ چھوڑ گئے۔

بڑے بڑے مقنن سولن سے لے کر اس وقت تک پیدا ہوئے ہیں لیکن ان کے قانون کی عمر نے بقا کی دولت نہ پائی اور اس کے ماننے والوں کو دل کی صفائی کا راز نہ ملا، دوسرے دور کے حاکموں اور عدالتوں نے خود اس کو حرف غلط سمجھ کر مٹا دیا، اور اپنی مرضی اور اپنی مصلحتوں کی مطابق، نہ کہ انسانوں

کی اصلاح کی خاطر اس کی جگہ دوسرا قانون بنا لیا، اور آج بھی یہی حالت قائم ہے آج اس مہذب دور حکومت میں بھی یہی صورت قائم ہے کہ آئین ساز مجلسیں بنائی گئی ہیں جو اپنے ہر اجلاس میں آج جو قانون بناتی ہیں کل اس کو مٹاتی ہیں اور یہ سب انسانوں کی خاطر نہیں بلکہ حکومتوں کی خاطر ہوتا رہتا ہے۔

عزیز دوستو! تم نے صنف انسانی کے بلند پایہ طبقوں میں سے جن سے انسانی بھلائی اور سدھار کی توقع ہو سکتی ہے ہر ایک کا جائزہ لے لیا، غور سے دیکھو اس وقت دنیا میں جہاں کہیں بھی نیکی کی روشنی اور اچھائی کا نور ہے، جہاں بھی خلوص اور دل کی صفائی کا اجالا ہے، کیا وہ صرف ان ہی بزرگوں کی تعلیم و ہدایت کا نتیجہ ہے، جن کو تم انبیائے کرام کے نام سے جانتے ہو؟ پہاڑوں کے غار، جنگلوں کے جھنڈ، شہر کی آبادیاں، غرض جہاں بھی رحم و انصاف غریبوں کی مدد، یتیموں کی پرورش، اور نیکیوں کا سراغ ملتا ہے وہ اسی برگزیدہ جماعت کے کسی نہ کسی فرد کی دعوت اور پکار کا دائمی اثر ہے قرآن مجید کی تعلیم کے مطابق۔

اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ (فاطر ع ۳)	کوئی قوم نہیں جس میں کوئی انسانوں کا ہشیار کرنیوالا نہ گزرا۔
وَلِکُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (رعد)	اور ہر قوم کے لئے ایک رہنما ہے۔

آج ہر قوم اور ملک میں انہیں کی برکتوں کا اجالا نظر آتا ہے اور ہر طرف ان ہی پکاروں کی آواز بازگشت سنائی دیتی ہے۔ افریقہ کے وحشی ہوں یا یورپ کے مہذب سب کے دلوں کی صفائی انہیں کے سرچشموں سے ہوتی

ہے الموور ہی ہے، ادبیر جتنے بلند پایہ اور عالی رتبہ انسانی طبقوں کے نام آئے ہیں
ان میں سب سے بلند اور سب سے اعلیٰ وہ طبقہ ہے جو بادشاہوں کیطرح
جسموں پر نہیں دلوں پر حکومت کرتا ہے، اس کی حکمرانی کی زمین دنیا کی
مملکت، بلکہ دلوں کی مملکت ہے جو گو سپہ سالاروں کی طرح تیغ بکف نہیں
تاہم وہ گناہوں کے پردے اور آلودگیوں کی صفیں دم کے دم الٹ دیتا
ہے گو وہ خیالی شاعر نہیں لیکن ان کی شیریں بیانیوں کے ذائقہ سے اب
تک انسانوں کے کام و دہن لطف اٹھا رہے ہیں، وہ گو ظاہری طور پر
قانون ساز مجلسوں کے سینٹر نہ تھے، لیکن صدہا اور ہزار سال گذر جانے
کے بعد بھی ان کا قانون اسی طرح زندہ ہے جو خود حاکموں اور عدالتوں
پر حکمراں ہے، اور بلا تفریق شاہ و گدا، بادشاہ اور رعایا سب پر یکساں
جاری ہے۔

یہاں مذہب اور اعتقاد کا سوال نہیں بلکہ عملی تاریخ کا سوال ہے کہ
آیا یہ واقعہ ہے یا نہیں؟ پاٹلی پتر کے راجہ اشوکہ کے احکام صرف پتھر کی
لاٹوں پر کندہ ہیں، مگر بدھ کا حکم دلوں پر منقوش ہے، اجین ہستنا پور دہلی
اور قنوج کے راجاؤں کے احکام مٹ چکے ہیں، لیکن منوجی کا دھرم شاستر
اب تک نافذ و جاری ہے، بابل کے سب سے پہلے قانون ساز بادشاہ حمورابی
کے قانون اور دفعات مدت ہوئی کہ مٹی کے ڈھیر میں دفن ہو گئے مگر
حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعلیم آج بھی موجود ہے فرعون کی ندا اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى
فی قرآن قائم رہی، مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اعجاز کا آج بھی زمانہ معترف ہے

ہے۔ سولن کے بنائے ہوئے قانون کئی دن چل سکے؟ مگر توراۃ کا آسمانی قانون آج بھی انسانوں میں عدل کی ترازو ہے، وہ رومن لا جس نے عیسیٰ مسیح علیہ السلام کو عدالت میں گنہگار ٹھہرایا تھا، صدیاں گذریں کہ معدوم ہو چکا مگر حضرت عیسیٰ کی تعلیم و ہدایت آج بھی گنہگاروں کو نیک اور مجرموں کو پاک بنانے میں اسی طرح مصروف ہے، مکہ کے ابو جہل، ایران کے کسریٰ اور روم کے قیصر کی حکومتیں مٹ گئیں، مگر شہنشاہ مدینہ کی فرمانروائی بدستور قائم اور مسلّم ہے۔

دوستو! میرے گذشتہ بیان نے اگر تمہارے دلوں میں تشفی کا کوئی اثر پیدا کیا ہے تو صرف اپنے عقیدے سے نہیں بلکہ عقلی استدلال اور دنیا کی عملی تاریخ سے تمہارے دلوں میں یہ یقین پیدا ہو گیا ہو گا کہ بنی نوع انسانی کی حقیقی بھلائی، اعمال کی نیکی، اخلاق کی بہتری، دلوں کی صفائی، اور انسانی قویٰ میں اعتدال اور میانہ روی پیدا کرنے کی کامیاب کوشش اگر کسی طبقۂ انسانی نے انجام دی ہیں تو وہ صرف انبیائے کرام کا طبقہ ہے، جو خدا کے فرستادہ ہو کر اس دنیا میں آئے اور دنیا کو نیک تعلیم و ہدایت دیکر اپنے پیچھے بھی لوگوں کیلئے چلنے کا ایک راستہ بنا کر چھوڑ گئے جن کی تعلیم و عمل کے سرچشمہ سے بادشاہ و رعایا، امیر، غریب، جاہل و عالم، سب برابر کا فیض پا رہے ہیں۔

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۔ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ كُلًّا هَدَيْنَا

اور ہم نے ابراہیم کو اسکی قوم پر اپنی حجت پیش کرنے کیلئے یہ دلیل عنایت کی ہم جس کو چاہتے ہیں بدرجہا بلند کر دیتے ہیں بیشک تیرا پروردگار رحمت والا علم والا ہے

وَنُوحًا هَدَيْنَا مِن قَبْلُ وَمِن
ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوبَ
وَيُوسُفَ وَمُوسٰى وَهٰرُونَ ط
وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ٥ وَ
زَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيسٰى وَاِلْيَاسَ ط
كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِينَ ٥ وَاِسْمٰعِيلَ
وَالْيَسَعَ وَيُونُسَ وَلُوطًا ط وَ
كُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِينَ ٥ وَ
مِنْ اٰبَائِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَ
اِخْوَانِهِمْ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَ
هَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ
ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِي بِهٖ
مَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَلَوْ
اَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوا
يَعْمَلُونَ ٥ اُولٰئِكَ الَّذِينَ
اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَ
النُّبُوَّةَ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰؤُلَاءِ
فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوا
بِهَا بِكٰفِرِينَ ٥ اُولٰئِكَ الَّذِينَ

اور ہم نے ان پر ابراہیم کو اسحٰق اور یعقوب
عطا کئے ہر ایک کو ان میں سے ہدایت بخشی اور
ہم نے ابراہیم سے پہلے نوح کو ہدایت دی اور
ان ابراہیم کی نسل سے داود اور سلیمان
ایوب، یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو ہدایت
دی اور ہم نیکو کاروں کو ایسا ہی بدلہ دیتے
ہیں اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس
کو ہدایت دی ہر ایک ان میں کا صالح
لوگوں میں تھا، اور اسمٰعیل اور الیسع اور
یونس اور لوط کو ہدایت دی اور ان میں
سے ہر ایک کو دنیا میں اس زمانہ کے لوگوں
پر فضیلت بخشی اور ان کے بزرگوں اور انکی
اولادوں اور ان کے بھائیوں میں سے اور
ان کو چنا، اور ان کو سیدھے راستہ کیطرف
ہدایت کی یہی خدا کی ہدایت ہے اپنے بندوں
میں سے جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اگر
وہ شرک کرتے تو ان کے سارے کام برباد
جاتے، یہی وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے کتاب
قوت فیصلہ اور پیغمبری عنایت کی تو اگر یہ لوگ

فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ (انعام ع ۱)

(جو انکے نام لیوا آج موجود ہیں) ان نعمتوں کی ناشکری کریں تو ہم نے ان نعمتوں کو ایسے لوگوں (یعنی مسلمانوں) کو سپرد کر دیا جو انکی تعظیم نہیں کرتے ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی تو تم بھی انہی کی پیروی کرو۔

ان پاک آیتوں میں انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کیلئے اصناف انسانی میں سے ایک خاص طبقہ کے بیشتر افراد کے نام بتائے گئے ہیں جن کی پیروی اور تقلید ہماری روحانی بیماریوں کا علاج اور اخلاقی کمزوریوں کا درماں ہے یہی وہ مقدس گروہ ہے جو خدا کی بسائی تمام آبادیوں میں پھیلا اور مختلف زمانوں میں اپنی تعلیم و ہدایت کا چراغ روشن کرتا رہا۔ آج انسانی سرمایہ میں فلاح، سعادت اخلاق نیک اعمال اور بہترین زندگیوں کے کچھ اثرات و نتائج ہیں، وہ سب انہی بزرگوں کے فیوض و برکات ہیں وہ جگہ جگہ اپنے نقش قدم چھوڑ گئے اور دنیا کم و بیش ان ہی پر چل کر اپنی کوششوں کی کامیابی کو ڈھونڈ رہی ہے۔

نوح کا جوش تبلیغ، ابراہیم کا ولولہ توحید، اسحاق کی وراثت پدری اسمٰعیل کا ایثار موسیٰ کی سعی و کوشش، ہارون کی رفاقت حق، یعقوب کی تسلیم، داؤد کا غربت حق پر ماتم، سلیمان کا سرور حکمت، زکریا کی عبادت یحییٰ کی عفت عیسیٰ کا زہد، یونس کا اعتراف قصور، لوط کی جانفشانی، ایوب کا صبر یہی وہ حقیقی نقش و نگار ہیں جن سے ہماری روحانی اور اخلاقی دنیا کا ایوان آراستہ ہے اور جہاں کہیں ان صفات عالیہ کا وجود ہے، وہ انہی بزرگوں کی مثالوں اور نمونوں کا عکس ہے۔

انسانوں کی عمدہ معاشرت، صحیح تمدن اور اعلیٰ مسرت کی تکمیل اور کائنات کے اندر اس کو اشرف المخلوقات کا مرتبہ حاصل کرانے میں یقیناً تمام کارکن طبقات انسانی کا ایک حصہ ہے، ہیئت دانوں نے ستاروں کی چالیں بتائیں، حکماء نے چیزوں کے خواص ظاہر کئے طبیبوں نے بیماریوں کے نسخے ترتیب دیئے، مہندسوں نے عمارتوں کا فن نکالا، صناعوں نے ہنر اور فن پیدا کئے۔ ان سب کی کوششوں سے ملکر یہ دنیا تکمیل کو پہنچی، اس لئے ہم ان سب کے شکر گزار ہیں، مگر سب سے زیادہ ممنون ہم ان بزرگوں کے ہیں جنہوں نے ہماری اندرونی بیماریوں کے نسخے ترتیب دیئے ہمارے جذبات ہمارے احساسات اور ہمارے ارادوں کے نقشے درست کئے ہمارے نفوس وقلوب کے عروج وتنزل کا فن ترتیب دیا جس سے دنیا کے صحیح تمدن اور صحیح معاشرت کی تکمیل ہوئی، اخلاق سیرت انسانیت کا جوہر قرار پانے کی اور بھلائی ایوان عمل کے نقش ونگار ٹھہرے، خدا وبندہ کا رشتہ باہم مضبوط ہوا اور روز الست کا بھولا ہوا وعدہ ہم کو یاد آیا اگر ہم انسانی سرشت کے ان رموز واسرار اور نیکی اور سعادت کی ان پیغمبرانہ تعلیمات سے ناواقف ہوتے تو کیا یہ دنیا کبھی تکمیل کو پہنچ سکتی، اس لئے اس برگزیدہ اور پاک طبقہ انسانی کے احسانات ہم انسانوں پر سب سے زیادہ ہیں اور اس لئے ہر فرد انسانی پر خواہ وہ کسی صنف سے تعلق رکھتا ہو ان کی شکر گذاری کا اظہار واجب ہے، اسی کا نام اسلام کی زبان میں صلوٰۃ وسلام ہے جو ہمیشہ انبیائے کرام کے نام نامی کے ساتھ ساتھ ہم ادا کرتے ہیں اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیْھِمْ وَسَلِّمْ

حضرات یہ نفوس قدسیہ اپنے اپنے وقت پر آئے اور گذر گئے، اس عالم

فانی کی کوئی چیز ابدی نہیں، ان کی زندگیاں اتنی ہی مقدس اور معصوم ہوں تاہم وہ دوام و بقا کی دولت سے سرفراز نہ تھیں، اس لئے آئندہ آنے والے انسانوں کے لئے جو چیز رہبر ہو سکتی ہے وہ ان کی زندگیوں کی تحریری اور روایتی عکس اور تصویریں ہیں، ہمارے پاس اس کے سوا اس سرمایۂ سعادت کی حفاظت کا کوئی اور طریقہ نہیں، دنیا میں پچھلے عہد کے علوم، فنون، خیالات، تحقیقات، واقعات اور حالات کے جاننے کا اس کے علاوہ کوئی ذریعہ نہیں، انسانی زندگیوں کی انہی تحریروں اور روایتی عکسوں اور تصویروں کا نام تاریخ اور سیرت ہے، ہماری زندگیوں کے دوسرے پہلوؤں میں ممکن ہے کہ ہر سانحہ زندگی میں کوئی نہ کوئی عبرت و بصیرت ہو، لیکن ہماری اخلاقی اور روحانی زندگی کی تکمیل و تزکیہ کیلئے صرف انبیائے کرام اور انکے نقش قدم پر چلنے والی ہستیوں کی تاریخیں اور سیرتیں ہی کارآمد اور مفید ہو سکتی ہیں اب تک دنیا نے انہی سے فیض پایا ہے اور آئندہ بھی انہی سے فیض پا سکتی ہے، اسلئے دنیا کا اپنے تزکیہ اور تکمیل روحانی کیلئے ان برگزیدہ ہستیوں کی سیرتوں کی حفاظت سب سے بڑا فرض ہے۔

بہتر سے بہتر فلسفہ عمدہ سے عمدہ تعلیم، اچھی سے اچھی ہدایت زندگی نہیں پا سکتی اور کامیاب نہیں ہو سکتی، اگر اس کے پیچھے کوئی ایسی شخصیت اسکی حامل اور عامل ہو کر قائم نہیں ہے جو ہماری توجہ، محبت اور عظمت کا مرکز ہو جس جہاز پر کہ دکو دیا نامی سے ہم اوائل فروری ۱۹۲۷؁ء میں حجاز اور مصر سے واپس آ رہے تھے اتفاق سے مشہور شاعر ڈاکٹر ٹیگور بھی اسی پر امریکہ کے سفر سے واپس آ رہے تھے، ایک رفیق سفر نے ان سے سوال کیا کہ برہمو سماج کی ناکامی کا سبب کیا ہے؟ حالانکہ اسکے اصول بہت منصفانہ

صلح کل کے تھے، اس کی تعلیم تھی کہ سارے مذہب سچے اور کل مذہبوں کے بانی اچھے اور نیک لوگ تھے، اس میں عقل و منطق کے خلاف کوئی چیز نہ تھی، وہ موجودہ تمدن، موجودہ فلسفہ اور موجودہ حالات کو دیکھ کر بنایا گیا تھا، تاہم اس نے کامیابی حاصل نہ کی فلسفی شاعر نے جواب میں کتنا اچھا نکتہ بیان کیا کہ یہ اسلئے ناکامیاب ہوا کہ اس کے پیچھے کوئی شخصی زندگی اور عملی سیرت نہ تھی جو ہماری توجہ کا مرکز بنتی اور ہماری نیکوکاری کا نمونہ بنتی، اس نکتہ سے ثابت ہوتا ہے کہ مذہب اپنے بنی کی سیرت اور عملی زندگی کے بغیر ناکام ہے۔

غرض کہ ہم کو اپنی ہدایت اور رہنمائی کے لئے معصوم انسانوں بے گناہ ہستیوں اور ہر حیثیت سے باکمال بزرگوں کی ضرورت ہے اور وہ صرف انبیائے کرام ہیں۔

صلوات اللہ علیہم اجمعین

عالمگیر اور دائمی نمونۂ عمل

صرف محمد رسول اللہ صلعم کی سیرت ہی ہے

دوستو! آج ہماری بزم کا دوسرا دن ہے، اس سے پہلے جو کچھ عرض ہو چکا ہے وہ پیش نظر ہے تو سلسلۂ سخن آگے بڑھے، میری پچھلی تقریر کا ماحصل یہ تھا کہ انسان کے حال و مستقبل کی تاریکی کو چاک کرنے کیلئے، ماضی کی روشنی سے فیض حاصل کرنا ضروری ہے جن مختلف انسانی طبقوں نے ہم پر احسان کئے ہیں وہ سب شکریہ کے مستحق ہیں، لیکن سب سے زیادہ ہم پر جن لوگوں کا احسان ہے وہ انبیائے کرام علیہم السلام ہیں، ان میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے وقت میں اپنی اپنی قوموں کے سامنے اس زمانے کے مناسب حال اخلاقِ عالیہ اور صفات کاملہ کا کوئی نہ کوئی ایک بلند ترین معجزانہ نمونہ پیش کیا، کسی نے صبر کسی نے ایثار کسی نے قربانی، کسی نے جوش توحید، کسی نے ولولۂ حق، کسی نے تسلیم، کسی نے عفت، کسی نے زہد غرض ہر ایک نے دنیائے انسان کی پیچ پیچ زندگی کے راستہ میں ایک ایک منار قائم کر دیا ہے، جس سے صراط مستقیم کا پتہ لگ سکے گا، مگر ضرورت تھی ایک ایسے رہنما کی اور رہبر کی جو اس سرے سے لے کر اس سرے تک پوری راہ کو اپنی ہدایت

اور عملی مثالوں سے روشن کر دیئے، گویا ہمارے ہاتھ میں اپنی عملی زندگی کا پورا گائڈ بک دیدیئے، جس کو لے کر اسی کی تعلیم و ہدایت کے مطابق ہر مسافر بے خطر منزل مقصود کا پتہ پالے۔ یہ راہنما سلسلۂ انبیاء کے آخری فرد محمد مصطفٰے احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، قرآن نے کہا۔

يَآاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝

اے پیغمبر ہم نے تجھ کو گواہی دینے والا اور (نیکوں کو) خوشخبری سنانیوالا اور (غافلوں) کو ہشیار کرنیوالا اور خدا کی طرف اسکے حکم سے پکارنے والا اور ایک روشن کرنیوالا چراغ بنا کر بھیجا ہے۔

آپ عالم میں خدا کی تعلیم و ہدایت کے شاہد ہیں، نیکوکاروں کو فلاح و سعادت کی بشارت سنانے والے مبشر ہیں، ان کو جو ابھی تک بے خبر ہیں ہشیار اور بیدار کرنے والے نذیر ہیں، بھٹکنے والے مسافروں کو خدا کیطرف پکارنے والے داعی ہیں اور مجسمہ تن نور اور چراغ ہیں لیکن آپ کی ذات اور آپ کی زندگی آراستہ کی روشنی جو راہ کی تاریکیوں کو کافور کر رہی ہے، یوں تو ہر پیغمبر خدا کا شاہد، داعی مبشر اور نذیر وغیرہ بن کر اس دنیا میں آیا ہے، مگر یہ کل صفتیں سب کی زندگیوں میں عملاً یکساں نمایاں ہو کر ظاہر نہیں ہوئیں، بہت سے انبیاء تھے جو خصوصیت کے ساتھ شاہد ہوئے جیسے حضرت یعقوب، حضرت اسحاق، حضرت اسمٰعیل وغیرہ بہت سے تھے جو نمایاں طور پر مبشر بنے جیسے حضرت ابراہیم، حضرت عیسٰی بہت سے تھے جن کا خاص وصف نذیر تھا جیسے حضرت نوح، حضرت موسٰی

حضرت ہود، حضرت شعیب، بہت سے تھے جو امتیازی حیثیت سے داعی حق تھے
جیسے حضرت یوسف، حضرت یونس، لیکن وہ جو شاہد، بلبشر، نذیر، داعی، سراج
منیر، سب کچھ بیک وقت تھا اور جس کے مرقع حیات میں سارے نقش ونگار عملاً
نمایاں تھے، وہ صرف محمد رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والتحیات تھے اور یہ اس لئے
ہوا کہ آپ دنیا کے آخری پیغمبر بنا کر بھیجے گئے جو کامل تھے، جس کی تکمیل کے لئے
پھر کسی دوسرے کو آنا نہ تھا۔

آپ کی تعلیم دائمی وجود رکھنے والی تھی، یعنی قیامت تک اس کو زندہ
رہنا تھا، اس لئے آپ کی ذات پاک کو مجموعۂ کمال اور دولت بے زوال بنا
کر بھیجا گیا۔

دوستو! یہ جو کچھ میں نے کہا، یہ میرے مذہبی عقیدے کی بنیاد پر محض کوئی
دعویٰ نہیں بلکہ یہ واقعہ ہے جس کی بنیاد دلائل اور شہادتوں پر قائم ہے۔

وہ سیرت یا نمونۂ حیات جو انسانوں کے لئے ایک آئیڈیل سیرت کا کام
دے اس کے لئے متعدد شرطوں کی ضرورت ہے جن میں سب سے پہلی اور اہم شرط
تاریخیت ہے۔

تاریخیت ۔ تاریخیت سے مقصود یہ ہے کہ ایک کامل انسان کے جو سوانح اور حالات
پیش کئے جائیں وہ تاریخ اور روایت کے لحاظ سے مستند ہوں انکی حیثیت
قصوں اور کہانیوں کی نہ ہو، روزمرہ کا تجربہ ہے کہ انسان کی ایک سائیکلوجی
یہ ہے کہ کسی سلسلۂ حیات کے متعلق اگر یہ معلوم ہو جائے کہ یہ فرضی اور خیالی
ہے یا مشتبہ ہے تو خواہ وہ کسی قدر مؤثر انداز میں کیوں نہ پیش کیا جائے طبیعتیں اس

سے دیرپا اور گہرا اثر نہیں لیتیں، اس لئے یہ کامل سیرت کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اس کے تمام اہم اجزا کی تاریخیت پر یقین ہو، یہی سبب ہے کہ تاریخی افسانوں سے جو اثر طبیعتوں میں پیدا ہوتا ہے، وہ خیالی افسانوں سے نہیں ہوتا۔

دوسرا سبب تاریخی سیرت کے ضروری ہونے کا یہ ہے کہ آپ اس سیرت کا نقشہ محض دلچسپی یا فرصت کے گھنٹوں کی مشغولی کے لئے نہیں پیش کرتے بلکہ اس غرض سے پیش کرتے ہیں کہ ہم اپنی زندگی اس نمونہ پر ڈھالیں اور اس کی پیروی و تقلید کریں، لیکن وہ زندگی اگر تاریخی اور واقعی طور سے ثابت نہیں تو آپ کیوں کر اس کے قابل عمل اور پیروی و تقلید کے لائق ہونے پر زور دے سکتے ہیں، کہا جا سکتا ہے کہ یہ فرضی اور بیمثال جیکل قصے ہیں جن پر کوئی انسان اپنی عملی زندگی کی بنیاد نہیں ڈال سکتا، اس لئے کہ پر اثر ہونے کیلئے اور قابل عمل اور تقلید ہونے کیلئے سب سے پہلے ضروری یہ ہے کہ اس کامل انسان کی سیرت تاریخی اسناد کے معیار پر پوری اترے۔

ہم تمام انبیائے کرام کا ادب و احترام کرتے ہیں اور ان کے سچے پیغمبر ہونے پر یقین رکھتے ہیں لیکن بفحوائے تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ یہ پیغمبر ہیں جن میں سے بعض کو بعض پر ہم نے فضیلت دی ہے، دوام بقا، ختم نبوت اور آخری کامل انسانی سیرت ہونیکی حیثیت سے محمد رسول اللہ صلعم کو جو خاص شرف عطا ہوا ہے وہ دیگر انبیاء کو اس نے مرحمت نہیں فرمایا کہ انکو دائمی آخری اور خاتم نبوت نہیں بنایا گیا تھا، انکی سیرتوں کا مقصد ایک خاص قوم کو ایک خاص زمانہ تک نمونہ دینا تھا، اسلئے اس زمانہ کے بعد بتدریج وہ دنیا سے مفقود ہو گئیں

غور کرو کہ ہر ملک میں ہر قوم میں، ہر زمانہ میں، ہر زبان میں کتنے لاکھ انسان
خدا کا پیغام لے کر آئے ہوں گے، ایک اسلامی روایت کے مطابق ایک لاکھ
۲۴ ہزار پیغمبر آئے مگر آج ان میں سے کتنوں کے نام جانتے ہیں اور جتنوں کے
نام جانتے بھی ہیں، ان کا حال کیا جانتے ہیں؟ دنیا کی تمام قوموں میں سب سے
زیادہ قدیم اور پرانے ہونے کا دعویٰ ہندوؤں کو ہے، گو وہ مسلم نہیں، لیکن بغور
دیکھو کہ ان کے مذہب میں سینکڑوں کیریکٹر کے نام ہیں، مگر انمیں سے کسی کو تاریخی
ہونے کی عزت حاصل نہیں ہے، ان میں سے بہتیرے کے تمام کے سوا کسی اور
چیز کا ذکر تک نہیں، اور بیتھالوجی سے آگے بڑھ کر تاریخ کے میدان ان کا
گذر بھی نہیں، ان میں سے بہتر سے بہتر معلوم کیریکٹر وہ ہیں جو مہابھارت
اور رامائن کے ہیرو ہیں، مگر ان کی زندگی کے واقعات میں سے تاریخ کس
کو کہتے ہیں، اور یہ بھی نہیں معلوم کہ یہ زمانہ کے کس دور اور کس صدی اور
صدی کے کس سال کے واقعے ہیں، اب یورپ کے بعض علماء ہیپیوں
قیاسیات کے کچھ کچھ تقریبی یا تخمینی زمانوں تعیین کرتے ہیں اور انہی کو ہمارے
ہندو تعلیم یافتہ اصحاب اپنے علم کی سند جانتے ہیں، لیکن یورپ کے محققین
میں سے زیادہ تر تو ان کو تاریخ کا درجہ نہیں دیتے ہیں اور یہ تسلیم نہیں کرتے
کہ یہ فرضی داستانیں کبھی عالم وجود میں آئی تھیں۔

ایران کے پرانے مجوسی مذہب کا بانی زرتشت اب بھی لاکھوں آدمیوں
کی عقیدت کا مرکز ہے، مگر اس کی تاریخی شخصیت بھی قدامت کے پردہ میں گم
ہے یہاں تک کہ اس کے تاریخی وجود کے متعلق بھی بعض شکی مزاج امریکن

یورپین علماء کو شبہ ہے، مستشرقین میں سے جو لوگ اس کے تاریخی وجود کو تسلیم کرتے ہیں، سینکڑوں قیاسیات سے اس کے حالات زندگی کچھ یقین کرتے ہیں تاہم وہ بھی مختلف محققین کی باہمی متضاد رائیوں سے اس قدر مشکوک ہیں کہ کوئی انسان ان کے بھروسے پر اپنی عملی زندگی کی بنیاد نہیں قائم کر سکتا زرتشت کی جائے پیدائش، سال پیدائش، قومیت، خاندان، مذہب تبلیغ مذہب، مذہبی صحیفہ کی اصلیت، زبان، سالِ وفات، جائے وفات ان میں سے ہر ایک مسئلہ سینکڑوں اختلافات کا مرجع ہے اور صحیح روایتوں کا اس قدر فقدان ہے کہ بجز تخمینی قیاسیات کے اور کوئی روشنی ان سوالات کی تاریکیوں کو دور نہیں کر سکتا، باایں ہمہ پارسی اصحاب ان مشکوک قیاسی باتوں کا علم براہ راست اپنی روایتوں سے نہیں رکھتے بلکہ یورپین اور امریکین اس کا اس کی تلقینات سے وہ ابھی سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں، اور جو ان کے ذاتی ذرائع علم ہیں وہ فردوسی کے شاہنامہ سے آگے نہیں بڑھتے، یہ عذر بیکار ہے کہ یونانی دشمنوں نے ان کو مٹایا، یہاں بہر حال ہم کو صرف اتنا بتانا ہے کہ وہ مٹ گئے، خواہ وہ کسی طرح سے مٹے ہوں، اور یہی بات اسکی دلیل ہے کہ ان کو دوام اور بقا کی زندگی نہ ملی اور کرن (KERN) اور ڈارمیٹیٹر (DAR METETER) جیسے محققین کو زرتشت کی شخصیت تاریخی سے انکار کرنا پڑا۔

قدیم ایشیا کا سب سے زیادہ وسیع مذہب بودھ ہے جو کبھی ہندوستان چین اور تمام ایشیائے وسطی، افغانستان، ترکستان تک پھیلا ہوا تھا اور

اب بھی برما، سیام، چین، جاپان اور تبت میں موجود ہے، ہندوستان میں تو یہ کہنا آسان ہے کہ برہمنوں نے اس کو مٹادیا اور ایشیائے وسطیٰ میں اسلام نے اس کا خاتمہ کردیا مگر تمام ایشیائے اقصیٰ میں تو اس کی حکومت اس کی تہذیب اس کا مذہب تلوار کی قوت کے ساتھ ساتھ قائم ہے اور اس وقت سے اب تک غیر مفتوح ہے لیکن کیا یہ چیزیں بودھ کی زندگی اور سیرت کو تاریخی روشنی میں برقرار رکھ سکیں، اور ایک مورخ اور سوانح نگار کے تمام سوالات کا وہ تشفی بخش جواب دے سکتے ہیں اور ایک بدھ کے زمانۂ وجود کی تعین مگدھ دیس کے راجاؤں کے واقعات سے کیجاتی ہے ورنہ کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ہے اور ان راجاؤں کا زمانہ بھی اس طرح متعین ہو سکا ہے کہ ان کے سفارتی تعلقات اتفاقاً یونانیوں سے قائم ہو گئے تھے، چینی مذہب کا بانی کا حال اس سے بھی زیادہ غیر یقینی ہے، اور چین کے بانی مذہب کنفوشش کی نسبت ہم کو بودھ سے بھی کم واقفیت ہے، حالانکہ اس کے ماننے والوں کی تعداد کروڑوں سے بھی زیادہ ہے۔

سامی قوم میں سینکڑوں پیغمبر آئے لیکن نام کے سوا تاریخ نے ان کا اور کچھ حال نہ جانا، حضرت نوح حضرت ابراہیم، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت اسمٰعیل، حضرت اسحٰق، حضرت یعقوب، حضرت زکریا، حضرت یحییٰ کے حالات اور سیرتوں کے ایک ایک جزء کے علاوہ کیا ہم کو کوئی بتا سکتا ہے ان کی سیرتوں کے ادھورے اور نامربوط حصے کیا ایک کامل انسانی زندگی کی تقلید اور پیروی کا سامان کر سکتے ہیں، قرآن مجید کو چھوڑ کر یہودیوں کے جن اسفار میں ان کے حالات درج ہیں ان میں سے ہر ایک کی نسبت محققین کو مختلف شکوک ہیں اور

اگر ان شکوک سے ہم قطع نظر بھی کر لیں تو ان کے اندر ان بزرگوں کی تصویریں کسی درجہ ادھوری ہیں۔

حضرت موسیٰ کا حال ہم کو تورات سے معلوم ہوتا ہے مگر وہ خود تورات جو آج موجود ہے، اہل تحقیق کے بیان کے مطابق جیسا کہ خود مصنفین انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا تسلیم کرتے ہیں حضرت موسیٰ کے صدہا سال کے بعد عالم وجود میں آئی ہے اس پر بھی اب جرمن اسکالرس نے پتہ لگایا ہے کہ موجودہ تورات میں پہلو بہ پہلو ہر واقعہ کے متعلق دو مختلف صورتوں یا روایتوں کا سلسلہ ہے جو باہم کہیں کہیں متضاد ہیں اور یہی سبب ہے کہ تورات کے سوانح و واقعات میں ہر قدم پر ہم کو تضاد بیان سے سابقہ پڑتا ہے، اس تھیوری کی تفصیل انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا اخیر اڈیشن کے آرٹیکل ،، بائبل،، میں موجود ہے، اب ایسی صورت میں حضرت موسیٰ بلکہ حضرت آدم سے لیکر حضرت موسیٰ تک کے واقعات کی تاریخی حیثیت کیا رہ جاتی ہے۔

حضرت عیسیٰ کے حالات انجیلوں میں درج ہیں مگر ان بہت سی انجیلوں میں سے آج عیسائی دنیا کا بڑا حصہ صرف چار انجیلوں کو تسلیم کرتا ہے، باقی انجیل طفولیت برناباس وغیرہ نامستند ہیں، ان چاروں انجیلوں میں سے ایک انجیل کے لکھنے والے نے بھی حضرت عیسیٰ کو خود نہیں دیکھا تھا، انہوں نے کس سے سن کر یہ حالات کا مجموعہ لکھا یہ بھی معلوم نہیں بلکہ اب تو یہ بھی مشکوک سمجھا جاتا ہے کہ جن چار آدمیوں کی طرف ان کی نسبت کی جاتی ہے وہ نسبت صحیح بھی ہے، یہ بھی واضح طور سے ثابت نہیں ہوا کہ وہ کن زبانوں میں اور کن

حالات میں لکھی گئی ہے، سنہ ۷۰ء سے لے کر بعد کے مختلف سالوں تک مختلف مفسرین اناجیل ان کی تکمیل کا زمانہ بتاتے ہیں حضرت عیسٰی کی پیدائش وفات اور تثلیث کی تعلیم ان سب کو سامنے رکھ کر اب بعض امریکن نقاد اور رشنلسٹ یہ کہنے لگے ہیں کہ حضرت عیسٰی کا وجود محض فرضی ہے اور ان کی پیدائش اور تثلیث کا بیان یونانی میتھالوجی کی محض نقالی، کیوں کہ اس قسم کے خیالات ان قوموں میں مختلف دیوتاؤں اور ہیروں کے متعلق پہلے سے موجود تھے چنانچہ شکاگو کے مشہور رسالہ روین کورٹ میں مہینوں حضرت عیسٰی کے فرضی وجود ہونے پر بحث ہو رہی ہے اس بیان سے عیسائی روایتوں کے ذریعہ حضرت عیسٰی کی زندگی تاریخی حیثیت میں کمزور معلوم ہوتی ہے۔

کاملیت کسی انسانی سیرت کے دائمی نمونہ عمل بننے کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے صحیفۂ حیات کے تمام حصے ہماری نگاہوں کے سامنے ہوں کوئی واقعہ پردۂ راز اور ناواقفیت کی تاریکی میں گم نہ ہو، بلکہ اسکے تمام سوانح اور حالات روز روشن کی طرح دنیا کے سامنے ہوں تاکہ معلوم ہو سکے کہ اس کی سیرت کہاں تک انسانی سوسائٹی کے لئے ایک آئیڈیل زندگی کی صلاحیت رکھتی ہے۔

اس معیار پر اگر شارعین ادیان اور بانیان مذاہب کے سوانح اور سیرتوں پر نظر ڈالو، تو معلوم ہو گا کہ محمد رسول اللہ صلعم کے سوا اور کوئی ہستی اس معیار پر پوری نہیں اترتی، اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ خاتم الانبیاء ہو کر دنیا میں تشریف لائے تھے، ہم کہہ چکے ہیں کہ ہزاروں لاکھوں انبیاء علیہم السلام

اور مصلحین دین کے زمرہ میں سے صرف تین چار ہستیاں ایسی ہیں جو تاریخی کہی جا سکتی ہیں، لیکن کاملیت کی حیثیت سے وہ ابھی پوری نہیں ہیں، غور کرو کہ مردم شماری کے لحاظ سے آج بودھ کے پیرو دنیا کی آبادی کے چوتھائی حصہ پر قابض ہیں مگر بایں ہمہ تاریخ سے بودھ کی زندگی صرف چند قصوں اور کہانیوں کا مجموعہ ہے، لیکن اگر ہم انہی قصوں اور کہانیوں کو تاریخ کا درجہ دے کر بودھ کی زندگی کے ضروری سے ضروری اور اہم سے اہم اجزا تلاش کریں تو ہم کو ناکامی ہوگی، ان قصوں اور کہانیوں سے ہم کو زیادہ سے زیادہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانہ میں نیپال کی ترائی کے کسی ملک میں ایک راجہ کا لڑکا تھا، جس نے فطرتاً سوچنے والی طبیعت پائی تھی، جوان ہونے اور ایک بچے کا باپ ہونے کے بعد اتفاقاً اس کی نظر چند مصیبت زدہ انسانوں پر پڑی اس کی طبیعت بے حد متاثر ہوئی اور وہ گھر بار چھوڑ کر دیس سے نکل گیا اور بنارس گیا، پاٹلی پترا (پٹنہ)، اور راجگیر (بہار) کے کبھی شہروں میں اور کبھی جنگلوں اور پہاڑوں میں پھرتا رہا اور خدا جانے عمر کی کتنی منزلیں طے کرنیکے بعد اس نے گیا کے ایک درخت کے نیچے انکشاف حقیقت کا دعویٰ کیا اور بنارس سے بہار تک اپنے نئے مذہب کا وعظ کرتا رہا پھر اس دنیا سے رخصت ہو گیا، یہ خلاصہ ہے بودھ کے متعلق ہماری معلومات کا۔

زرتشت بھی ایک مذہب کا بانی ہے، مگر ہم بتا چکے ہیں کہ قیاسات کے سوا اس کی زندگی اور سیرت کا بھی سراغ نہیں ملتا، ان قیاسات سے بھی جو کچھ معلوم ہوا ہے اس کو بجائے ہم اپنی زبان سے کہنے کو بیسویں صدی

کے مستند خلاصۂ معلومات انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے آرٹیکل زرتشت سے یہاں نقل کرتے ہیں۔

"زرتشت کی جس شخصیت سے دگاتھا کے ان اشعار میں ہماری ملاقات ہوتی ہے وہ نئے اوستا کے زرتشت سے بالکل مختلف ہے وہ ٹھیک متضاد ہے اس دوسرے افسانہ کی معجزانہ شخصیت سے اس کے بعد گاتھا کے کچھ واقعی حالات نقل کرکے مضمون نگار لکھتا ہے تاہم ہم یہ توقع نہ کریں کہ ہم گاتھا سے زرتشت کے فیصلہ کن حالات جان سکتے ہیں، وہ ہم کو زرتشت کی لائف کو کوئی تاریخی بیان نہیں دیتی اور جو کچھ ملتا ہے اس کے معنی یا تو صاف نہیں ہیں یا غیر مفہوم ہیں"

زرتشت کے متعلق موجودہ زمانہ کی تصنیفات کا باب شروع کرتے ہوئے یہ مضمون لکھتا ہے۔

"اس کی جائے پیدائش کے متعلق شہادتیں متضاد ہیں"

اس کے زمانہ کے تعین کے متعلق بھی یونانی مورخین کے بیانات نیز موجودہ محققین کے قیاسات مختلف ہیں، مضمون نگار لکھتا ہے۔

"زرتشت کے زمانہ سے ہم قطعاً ناواقف ہیں"

بہرحال جو کچھ ہم کو معلوم ہے وہ یہ ہے کہ آذربائیجان کے کسی مقام میں پیدا ہوا، بلخ وغیرہ کی تبلیغ، ہشتاسپ بادشاہ نے اس کے مذہب کو اختیار کیا، کچھ اس نے غیر معمولی معجزے دکھلائے اس نے شادی بیاہ کیا، اولادیں ہوئیں اور پھر کہیں مر گیا، کیا ایسی نامعلوم ہستی کیلئے کوئی کاملیت کا گمان بھی کر سکتا ہے اور اسکی زندگی انسانی سوسائٹی کے لیے چراغ راہ بن سکتی ہے یا بنائی جا سکتی ہے؟

ابنیائے سابقین میں سب سے مشہور زندگی حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہے موجودہ تورات کے مستند یا غیر مستند ہونے کی بحث سے قطع نظر کر کے ہم اس کے بیانات کو بالکل صحیح تسلیم کئے لیتے ہیں، تاہم تورات کی پانچوں کتابوں سے ہم کو حضرت موسیٰ کی زندگی کس قدر اجزا ہاتھ آتے ہیں، جو کچھ ہے وہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ پیدا ہو کر فرعون کے گھر پرورش پاتے ہیں، جوان ہو کر فرعونیوں کے مظالم کے خلاف بنی اسرائیل کی ایک دو موقعوں پر مدد کرتے ہیں، پھر مصر سے بھاگ کر مدین آتے ہیں، یہاں شادی ہوتی ہے اور معتد بہ زمانہ تک یہاں زندگی بسر کر کے مصر واپس جاتے ہیں، راہ میں نبوت سے سرفراز ہوتے ہیں، فرعون کے پاس پہنچتے ہیں، معجزات دکھاتے ہیں اور بنی اسرائیل کو مصر سے لے جانے کی اجازت چاہتے ہیں، رخصت نہیں ملتی، بالآخر غفلت میں مع اپنی قوم کے نکل جاتے ہیں، خدا کے حکم سے سمندر میں ان کو راہ مل جاتی ہے۔ فرعون غرق ہو جاتا ہے اور وہ اپنی قوم کو لے کر عرب اور شام میں داخل ہوتے ہیں، کافر باشندوں سے لڑائیاں پیش آتی ہیں، اسی حالت میں جب وہ بوڑھے ہو جاتے ہیں تو ایک پہاڑی پر ان کی وفات ہو جاتی ہے، تورات استثنا کے اختتامی فقرے یہ ہیں جن کا ترجمہ موجود ہے،

"سو خداوند کا بندہ موسیٰ خداوند کے حکم کے موافق مواب کی سرزمین میں مر گیا اور اس نے اس مواب کی ایک وادی میں بیت مغور کے مقابل گاڑا پر آج کے دن تک کوئی اس کی قبر کو نہیں جانتا اور موسیٰ اپنے مرنے کے وقت ایک سو بیس برس کا تھا، اور اب تک بنی اسرائیل میں موسیٰ کے مانند کوئی نبی نہیں ہوا

۱۔ یہ توارات کی پانچویں کتاب کے فقرے ہیں جس کی تصنیف بھی موسیٰؑ کیطرف منسوب ہے، ان فقروں میں سب سے پہلے آپ کی نظر اس پر پڑنی چاہیئے کہ یہ پوری کتاب یا اس کی آخری اجزاء حضرت موسیٰؑ کی تصنیف نہیں۔ لیکن بایں ہمہ دنیا حضرت موسیٰؑ کے اس سوانح نگار سے واقف نہیں ہے۔

۲۔ ان درسوں کے الفاظ ''آج تک اس کی قبر کو کوئی نہیں جانتا، اور اب تک ویسا کوئی نبی بنی اسرائیل میں نہیں ہوا'' ظاہر کرتے ہیں کہ سوانح موسوی کے یہ تکمیلی اجزاء اتنی مدت دراز کے بعد لکھے گئے ہیں جس میں ایک مشہور یادگار کو بھول جا سکتے ہیں اور ایک نئے پیغمبر کے ظہور کی توقع کی جا سکتی تھی۔''

۳۔ حضرت موسیٰ نے ایک سو بیس برس کی عمر پائی مگر غور سے دیکھو کہ اس ۱۲۰ برس کی عمر کے طویل زمانہ کی وسعت کو بھرنے کیلئے ہم کو حضرت موسیٰ کے کیا واقعات معلوم ہوئے ہیں اور ان کی سوانحعمری کے ضروری اجزاء ہمارے ہاتھ کیا ہیں، پیدائش، جوانی میں ہجرت، شادی اور نبوت کے واقعات معلوم ہیں پھر چند لڑائیوں کے بعد بڑھاپے میں ۱۲۰ برس کی عمر میں ان کی وفات ہو گئی ہے، ان واقعات کو جانے دیجئے یہ تو شخصی حالات ہیں جو ہر شخص کی زندگی میں الگ الگ پیش آتے ہیں انسان کو اپنی سوسائٹی کے عملی نمونہ کے لئے جن اجزاء کی ضرورت ہے وہ اخلاق و عادات اور زندگانی کے طور طریق ہیں اور یہی اجزاء حضرت موسیٰ کی پیغمبرانہ سوانح عمری سے گم ہیں ورنہ عام جزئی حالات یعنی اشخاص کے نام و نسب و مقامات کے پتے، مردم شماریاں اور قانونی اقوال بہت کچھ تورات میں مذکور ہیں، مگر یہ معلومات خواہ جغرافیہ ہو کرانولوجی، نسب ناموں اور قانون

دانی کے لئے کسی قدر ضروری کیوں نہیں ہوں مگر عملی حیثیت سے بالکل بیکار رہا اور اجزائے سوانح کی کاملیت سے معرا ہیں۔

اسلام سے سب سے قریب العہد پیغمبر حضرت عیسیٰ ہیں جن کے پیرو آج یورپین مردم شماری کے مطابق تمام دوسرے مذاہب کے پیروں سے زیادہ ہیں، مگر یہ سن کر آپ کو حیرت ہوگی کہ اسی مذہب کے پیغمبر کی زندگی کے اجزاء تمام دوسرے مشہور مذاہب کے بانیوں اور پیغمبروں کے سوانح سے سب سے کم معلوم ہیں، آج عیسائی یورپ کے تاریخی ذوق کا یہ حال ہے کہ وہ بابل، واسیریا، عرب، شام، مصر، افریقہ، ہندوستان و ترکستان کے ہزارہا برس کے واقعات کتابوں اور کتبوں کو پڑھ کر اور کھنڈروں، پہاڑوں اور زمین کے طبقوں کو کھود کر منظر عام پر لا رہا ہے اور دنیا کی تاریخ کے گمشدہ اوراق از سر نو ترتیب دے رہا ہے مگر اس کا مسیحائی معجزہ جس چیز کو زندہ نہیں کر سکتا وہ خود حضرت عیسیٰ کی زندگی کے مدفون واقعات ہیں، پروفیسر رینان نے کیا کیا نہ کیا، مگر حضرت عیسیٰ کے واقعات زندگی کا نہ ملنا تھا نہ مل سکے انجیل کے بیان کے مطابق حضرت عیسیٰ کی زندگی ۳۳ برس کی تھی، موجودہ انجیلوں کی روایتیں اولاً تو نامعتبر ہیں اور جو کچھ ہیں بھی وہ صرف ان کے آخری تین سالوں کی زندگی پر مشتمل ہیں ہم کو ان کی تاریخی زندگی کے صرف یہ حصے معلوم ہیں، وہ پیدا ہوئے اور پیدائش کے بعد مصر لائے گئے لڑکپن میں ایک دو معجزے دکھائے گئے اس کے بعد وہ غائب ہو جاتے ہیں اور پھر یک بیک تیس برس کی عمر میں دیتے اور پہاڑوں اور دریاؤں کے کنارے ماہی گیروں کو وعظ کہتے نظر آتے ہیں؛ چند شاگرد پیدا ہوتے ہیں یہودیوں سے چند مناظرے

ہوتے ہیں یا یہودی ان کو پکڑوا دیتے ہیں رومی گورنر کی عدالت میں مقدمہ پیش ہوتا ہے اور سولی دے دی جاتی ہے تیسرے دن ان کی قبر ان کی لاش سے خالی نظر آتی ہے تیس برس اور کم از کم بتیس برس کا زمانہ کہاں گذرا اور کیوں کر گذرا دنیا اس سے ناواقف ہے اور رہے گی ان تین آخری برسوں کے واقعات میں کیا ہے؟ چند معجزے اور مواعظ اور آخر سولی۔

کسی سیرت کے عملی نمونہ بننے کے لئے تیسری ضروری شرط جامعیت

جامعیت ہے جامعیت سے مقصود یہ ہے کہ مختلف طبقات انسانی کو اپنے مختلف تعلقات اور روابط و فرائض و واجبات کو ادا کرنے کے لئے جن مثالوں اور نمونوں کی حاجت ہوتی ہے وہ سب اس آئیڈیل زندگی کے آئینہ میں موجود ہوں، اس نقطہ نگاہ سے بھی دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ سوائے خاتم الانبیا علیہ السلام والصلوٰۃ کے کوئی دوسری شخصیت اس معیار پر پوری نہیں اترتی مذہب کیا چیز ہے، خدا اور بندوں اور باہم بندوں کے متعلق جو فرائض اور واجبات ہیں ان کو تسلیم کرنا اور ادا کرنا دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کے بجالانے کا نام ہے، اسلئے ہر مذہب کے پیرووں کا فرض ہے کہ وہ اپنے اپنے پیغمبروں اور بانیوں کی سیرتوں میں ان حقوق، فرائض اور واجبات کی تفصیلات تلاش کریں اور انکے مطابق ہر زندگی کو اس قالب میں ڈھالنے کی کوشش کریں حقوق اللہ اور حقوق العباد کی حیثیتوں سے جب آپ تفصیلات ڈھونڈیں گے تو وہ پیغمبر اسلام کے سوا آپ کو کہیں نہیں ملیں گی۔

مذاہب دو قسم کے ہیں ایک وہ جن میں یا تو خدا تسلیم ہی نہیں کیا گیا ہے

جیساکہ بودھ اور جین مذہب کے متعلق کہا جاتا ہے اس لئے ان مذہبوں میں تو خدا اس کی ذات وصفات اور دیگر حقوق الٰہی کا پتہ ہی نہیں اور اس لئے ان کے بانیوں میں محبت الٰہی خلوص، توحید پرستی وغیرہ کی تلاش ہی بیکار ہے، دوسرے وہ مذاہب ہیں جنہوں نے خدا کو کسی نہ کسی رنگ میں تسلیم کیا ہے ان مذہبوں کے پیغمبروں اور بانیوں کی زندگی میں بھی خدا طلبی کے واقعات مفقود ہیں، خدا کے متعلق ہمکو کیا اعتقادات رکھنے چاہئیں اور ان کے کیا اعتقادات تھے اور ان اعتقادات پر ان کو کس حد تک عملاً یقین تھا ان کی تفصیل سے ان کی سیرتیں خالی ہیں، پوری توراۃ پڑھ جاؤ، خدا کی توحید اور اس کے احکام اور قربانی کے شرائط کے علاوہ توراۃ کی پانچ کتابوں میں کوئی ایسا فقرہ نہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ حضرت موسیٰ کے تعلقات قلبی اور اطاعت وعبادت اور خدا پر توکل ویقین خدا کے صفات کاملہ والٰہیہ کی جلوہ گری ان کے قلب اقدس میں کہاں تک تھی، حالانکہ اگر موسوی مذہب ہمیشہ کیلئے اور آخری مذہب کے طور پر آیا ہوتا اس کے پیرووں کا فرض تھا کہ وہ ان واقعات کو قید تحریر میں لاتے، مگر خدا کی مصلحت یہ نہ تھی، اس لئے ان کو اس کی توفیق نہ تھی۔

حضرت عیسیٰؑ کی زندگی کا آئینہ انجیل ہے، انجیل میں اس ایک مسئلہ کے کہ خدا عیسیٰؑ کا باپ تھا ہم کو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس دنیاوی زندگی میں اس مقدس باپ اور بیٹے میں کیا تعلقات وروابط تھے، بیٹے کے اقراریسے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ بیٹے کو باپ سے کس درجہ محبت تھی، وہ کہاں تک اپنے باپ کی اطاعت وفرماں برداری میں مصروف تھا، وہ اس کے آگے شب وروز

میں کبھی جھلکتا بھی تھا اور آج کی روٹی کے علاوہ کوئی اور چیز بھی اس نے کبھی اس سے مانگی ۔ گرفتاری کی رات سے پہلے کوئی ایک رات بھی اس پر ایسی گذری جب وہ باپ کی حضور میں دعا مانگ رہا ہو پھر ایسی سیرت سے ہم روحانی حیثیت سے کیا فائدہ اٹھا سکتے ہیں، اگر حضرت عیسیٰ کی سیرت میں خدا اور بندہ کے تعلقات واضح ہوتے تو ساڑھے تین سو برس بعد پہلے عیسائی بادشاہ کو بھی بنیس میں تین سو عیسائی علماء کی مجلس اس کے فیصلہ کیلئے فراہم نہ کرنی پڑتی اور وہ اب تک ایک ناقابل فہم راز نہ بنے رہتے۔

اب حقوق عباد کی حیثیت کو لیجئے تو اس سے بھی حضرت خاتم النبین صلعم اور تمام دیگر انبیا علیہم السلام اور بانیان مذاہب کی سیرتیں خالی ہیں بودھ نے اپنے تمام اہل و عیال اور خاندان کو چھوڑ کر جنگل کا راستہ لیا اور پھر کبھی اپنی پیاری بیوی سے جس سے اس کو محبت تھی اور اپنے اکلوتے بیٹے سے کوئی تعلق نہ رکھا دوستوں کے جھرمٹ سے علیحدہ ہوگیا، حکومت اور سلطنت کے بار گراں سے سبکدوشی حاصل اور نروان یا موت کے حصول کو انسانی زندگی کا آخری مقصد قرار دیا ان حالات میں کیا کوئی انسان یہ سمجھ سکتا ہے کہ اس دنیا کے بسنے والوں کے لئے جن میں حکومت و رعیت، شاہ و گدا آقا و نوکر باپ بیٹے، بھائی بہن اور دوست احباب کے تعلقات ہیں بودھ کی سیرت کچھ کار آمد ہو سکتی ہے، کیا بدھ کی زندگی میں کوئی ایسی جامعیت ہے جو تارک الدنیا بھکشوں اور کاروباری انسان کے لئے قابل تقلید ہو اس لئے اس کی زندگی کبھی اس کے ماننے والوں کاروباریوں کے لئے قابل تقلید نہ بنی ورنہ

چین وجاپان، سیام و انام، تبت، برما کی تمام سلطنتیں تجارتیں صناعیاں اور دیگر کاروباری مشاغل بند ہو جاتے اور بجائے آباد شہروں کے صرف سنسان جنگلوں کا وجود رہ جاتا۔

حضرت موسیٰ کی زندگی کا ایک ہی پہلو نہایت واضح ہے اور وہ جنگ اور سپہ سالاری کا پہلو ہے اور نہ اس کے علاوہ سیرت کی پیروی کرنیوالوں کے لئے دنیاوی حقوق، واجبات، فرائض اور ذمہ داریوں کا کوئی نمونہ موجود نہیں ہے، میاں بیوی، باپ بیٹے، بھائی بھائی، دوست واحباب کے متعلق ان کا کیا طرز عمل تھا صلح فرائض میں ان کا کیا دستور تھا، اپنے مال و دولت کو کن مفید کاموں میں انہوں نے لگایا، بیماروں، یتیموں، مسافروں اور غریبوں کے ساتھ ان کا کیا برتاؤ تھا اور ان کے ماننے والے ان امور میں ان کی زندگی کی مثالوں سے کیوں کر فائدہ اٹھائیں حضرت موسیٰ بیوی رکھتے تھے، بھائی رکھتے تھے دوسرے اعزہ اور متعلقین رکھتے تھے اور ہمارا اعتقاد ہے کہ ان کا پیغمبرانہ طرز عمل یقیناً ہر حرف گیری سے پاک ہوگا مگر ان کی موجودہ سیرت کی کتابوں میں ہم کو یہ ابواب نہیں ملتے جو ہمارے لئے قابل تقلید ہوں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ماں تھیں اور انجیل کے بیان کے مطابق انکے بھائی بہن تھے بلکہ مادی باپ تک بھی موجود تھا، مگر ان کی زندگی کے واقعات ان عزیزوں اور رشتہ داروں کے ساتھ ان کا تعلق طرز عمل اور برتاؤ نہیں ظاہر کرتے حالانکہ دنیا ہمیشہ انہی تعلقات سے آباد ہے اور رہے گی مذہب کا بڑا حصہ انہی کی متعلقہ ذمہ داریوں کے ادا کرنے کا نام ہے علاوہ ازیں حضرت عیسیٰ

نے محکومی کی زندگی بسر کی اس لئے ان کی سیرت تمام حاکمانہ فرائض کی مثالوں سے خالی ہے وہ متاہل نہ تھے، اس لئے ان دو جوڑوں کے لئے جن کے درمیان توراۃ کے پہلے ہی باب نے ماں باپ سے زیادہ مضبوط رشتہ قائم کیا ہے حضرت عیسٰی کی زندگی تقلید کا کوئی سامان نہیں رکھتی اور چونکہ دنیا کی بیشتر حصہ آبادی کے لئے ان کی سیرت نمونہ نہیں بن سکتی، جس نے گھربار، اہل وعیال، مال، دولت، صلح وجنگ دوست ودشمن کے تعلقات سے کبھی واسطہ ہی نہ رکھا ہو، وہ اس دنیا کے لئے جو انہی تعلقات سے معمور ہے کیوں کر مثال ہو سکتا ہے، اگر آج دنیا یہ زندگی اختیار کرلے تو کل وہ سنسان قبرستان بن جائے، تمام ترقیاں دفعتہً رک جائیں اور عیسائی یورپ تو شاید ایک منٹ کیلئے بھی زندہ نہ رہے۔

عملیت:- آئیڈیل لائف، کا سب سے آخری معیار عملیت ہے، عملیت سے یہ مقصود ہے کہ شارع دین اور بانی مذہب جس تعلیم کو پیش کر رہا ہے، خود اس کا ذاتی عمل اس مثال اور نمونہ ہو، اور خود اس کے عمل نے اس کی تعلیم کو عملی یعنی قابل عمل ثابت کیا ہو۔

خوش کن سے خوش کن فلسفہ، دلچسپ سے دلچسپ نظریہ اور خوش آیند سے خوش آیند، اقوال ہر شخص ہر وقت پیش کر سکتا ہے، لیکن جو چیز ہر شخص ہر وقت نہیں پیش کر سکتا وہ عمل ہے، انسانی سیرت کے بہتر اور کامل ہونے کی دلیل اس کے نیک اور معصوم اقوال، خیالات اور اخلاقی فلسفیانہ نظریئے نہیں بلکہ اس کے اعمال اور کارنامے ہیں، اگر یہ معیار قائم نہ کیا جائے تو اچھے اور برے کی تمیز اٹھ جائے اور دنیا صرف بات بنانے والوں کا مسکن رہ جائے اب

مجھے پوچھنے دیجئے کہ لاکھوں شارعین اور ہزاروں بانیانِ مذہب میں سے کون اپنی عملی سیرت کو اس ترازو پر تلوانے کے لئے آگے بڑھ سکتا ہے؟

تو اپنے خداوند کو اپنی ساری جان اور دل سے پیار کر، تو دشمن کو پیار کر جو تیرے داہنے گال پر تھپیڑ مارے تو اس کے سامنے اپنا بایاں گال بھی پھیر دے جو تجھ کو ایک میل بے کار لے جائے تو اس کے ساتھ دو میل جا جو تیرا کوٹ مانگے تو اس کو کرتا بھی دیدے، تو اپنے تمام مال و اسباب کو خدا کی راہ میں دیدے تو اپنے بھائی کو ستر دفعہ معاف کر، آسمان کی بادشاہت میں دولت مند کا داخل ہونا مشکل ہے۔

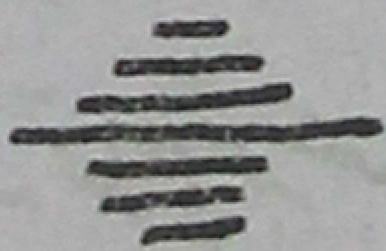
یہ اور اسی قسم کی بہت سی نصیحتیں نہایت دل خوش کن ہیں، مگر عمل سے ان کی تصدیق نہ ہو تو وہ سیرت کا ٹکڑا نہیں بلکہ وہ صرف معصومانہ شیریں زبانیوں کا ایک مجموعہ ہیں جس نے اپنے دشمن پر قابو نہ پایا وہ عفو کی عملی مثال کیسے پیش کر سکتا ہے جس کے پاس خود کچھ نہ ہو وہ غریبوں اور مسکینوں اور یتیموں کی مدد کیوں کر سکتا ہے جو عزیز، اقارب، بیوی، بچے نہ رکھتا ہو، جو انہی تعلقات سے آباد دنیا کے لئے مثال کیوں کر بن سکتا ہے، جس نے بیماروں کی تیمارداری اور عیادت نہ کی ہو وہ اس کا وعظ کیوں کر کہہ سکتا ہے، جس کو خود دوسروں کے معاف کرنے کا موقع نہ ملا اس کی زندگی ہم سے غضبناک اور غصہ ور لوگوں کیلئے نمونہ کیسے بنے گی۔

غور فرمائیے۔ نیکیاں دو قسم کی ہوتی ہیں، ایک سلبی ایک ایجابی، مثلاً آپ پہاڑ کی ایک کھوہ میں جا کر عمر بھر کے لئے بیٹھ گئے تو صرف یہ کہنا صحیح ہو گا کہ بدیوں اور برائیوں سے آپ نے پرہیز کیا، یعنی آپ نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جو آپ کے

لئے قابل اعتراض ہو مگر یہ تو سلبی تعریف ہوئی، ایجابی پہلو آپ کا کیا ہے؟ کیا آپ نے غریبوں کی مدد کی۔ محتاجوں کو کھانا کھلایا، کمزوروں کی حمایت کی ظالموں کے مقابلہ میں حق گوئی سے کام لیا، گرتوں کو سنبھالا، گمراہوں کو راستہ دکھایا، غرض عفو، کرم، سخا، مہمان نوازی، حق گوئی، رحم، حق کی نصرت کے لئے، جوش، جدوجہد، مجاہدہ ادائے فرض، ذمہ داریوں کی بجاآوری، غرض تمام وہ اخلاق جن کا تعلق عمل سے ہے وہ صرف سلب فعل اور عدم عمل سے نیکیاں نہیں بن جائیں گے، نیکیاں صرف سلبی ہی پہلو نہیں رکھتیں زیادہ تر ایجابی اور عملی پہلو پر ان کا مدار ہوتا ہے اس تقریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس صورت کا عملی حصہ سامنے نہ ہو اس کو " آئیڈیل لائف "، اور قابل تقلید زندگی کا خطاب نہیں دیا جا سکتا کہ انسان اس کی کس چیز کا نقل کرے گا؟ اور کس عمل سے سبق حاصل کرے گا ہم کو تو صلح و جنگ و فقر و دولت ازدواج و تجرد، تعلقات خداوندی، تعلقات عباد، حاکمیت و محکومیت، سکون، غضب، جلوت، خلوت، غرض زندگی کے ہر پہلو کے متعلق عملی مثال چاہیئے دنیا کا بیشتر بلکہ تمام تر حصہ انہی مشکلات اور تعلقات میں الجھا ہوا ہے اس لئے لوگوں کو انہی مشکلات کے حل کرنے اور انہی تعلقات کو بوجہ احسن انجام دینے کے لئے عملی مثالوں کی ضرورت ہے قولی نہیں بلکہ عملی لیکن کہنا شاعری اور خطابت نہیں بلکہ تاریخی واقعہ ہے کہ اس معیار پر بھی سیرت محمدی کے سوا کوئی دوسری سیرت پوری نہیں اتر سکتی۔

میں نے آج جو کچھ کہا ہے اس کو اچھی طرح سمجھ لیجئے، میں یہ کہنا اور دکھانا چاہتا ہوں کہ آئیڈیل لائف اور نمونہ تقلید بننے کے لئے جو حیات انسانی منتخب

کی جائے ضرورت ہے کہ اس کی سیرت کے موجودہ نقشہ میں یہ چار باتیں پائی جائیں، یعنی تاریخیت، جامعیت، کاملیت اور عملیت، یہ میرا مقصد نہیں کہ دیگر انبیاء علیہم السلام کی زندگیاں ان کے عہد زمانہ میں ان خصوصیات سے خالی تھیں بلکہ یہ مقصد ہے کہ ان کی سیرتیں جو ان کے بعد عام انسانوں تک پہنچیں یا آج موجود ہیں وہ ان خصوصیات سے خالی ہیں اور ایسا ہونا مصلحت الٰہی کے مطابق تھا تاکہ یہ ثابت ہو سکے کہ وہ انبیاء محدود زمانہ اور متعین قوموں کے لئے تھے، اس لئے ان کی سیرتوں کو دوسری قوموں اور آئندہ زمانہ تک محفوظ رہنے کی ضرورت نہ تھی، صرف محمد رسول اللہ صلعم تمام دنیا کی قوموں کے لئے اور قیامت تک کے لئے نمونہ عمل اور قابل تقلید بنا کر بھیجے گئے، اس لئے آپ کی سیرت کو ہر حیثیت سے مکمل دائمی اور ہمیشہ کے لئے محفوظ رہنے کی ضرورت تھی اور یہی ختم نبوت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔



تاریخیت

آیئے اب ان چاروں معیاروں کے مطابق پیغمبر اسلام علیہ السلام کی سیرت مبارکہ پر نظر ڈالیں، سب سے پہلی چیز تاریخیت ہے اس باب میں تمام دنیا متفق ہے کہ اس حیثیت سے اسلام نے اپنے پیغمبر کی بلکہ ہر اس چیز کی اور اس شخص کی جس کا ادنیٰ سا تعلق بھی حضرت کی ذات مبارک سے تھا جس طرح حفاظت کی ہے وہ عالم کے لئے مایہ حیرت ہے، ان لوگوں کو جو آنحضرت صلعم کے اقوال و افعال اور متعلقات زندگی کی روایت، تحریر اور تدوین کا فرض انجام دیتے تھے، راویان حدیث و روایت یا محدثین اور ارباب سیرت کہتے ہیں جنہیں، صحابہؓ، تابعینؒ، تبع تابعین اور بعد کے چوتھی صدی ہجری تک کے اشخاص داخل ہیں، جب تمام سرمایۂ روایت، تحریری صورت میں آگیا تو ان تمام راویوں کے نام و نشان، تاریخ زندگی، اخلاق، عادات کو بھی تحریر میں لایا گیا جس کی تعداد ایک لاکھ کے قریب ہے اور ان سب کے مجموعہ احوال کا نام اسماء الرجال ہے مشہور جرمن ڈاکٹر اسپرنگر جو ۱۸۵۴ء اور اس کے بعد ہندوستان سے علمی صیغہ سے متعلق تھے اور بنگال، ایشیاٹک سوسائٹی کے سکریٹری تھے اور ان کے عہد میں خود ان کی محنت سے واقدی کی مغازی دان کریمر کی ایڈیٹر شپ میں ۱۸۵۶ء میں شائع ہوئی اور صحابہ کرام کے حالات

میں حافظ ابن حجر کی اصابہ فی احوال الصحابہ طبع ہوئی اور جنہوں نے جیسا کہ ان کا دعویٰ ہے کہ وہ پہلے یورپین شخص ہیں جس نے خالص ابتدائی عربی ماخذوں کے لائف آف محمد صلعم لکھی ہے اور مخالفانہ لکھی ہے وہ بھی اصابہ کے انگریزی مقدمہ مطبوعہ کلکتہ ۱۸۳۵ء میں لکھتے ہیں۔

"کوئی قوم دنیا میں ایسی نہیں گذری نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال کا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو، جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصوں کا حال معلوم ہو سکتا ہے"

صحابہ کرام کی تعداد نبوت کے آخیر سالہ حجتہ الوداع میں تقریباً ایک لاکھ تھی ان میں گیارہ ہزار آدمی ایسے ہیں جن کے نام ونشان آج تحریری صورت میں تاریخ کے اوراق میں جو خالص انہی کے حالات میں لکھے گئے ہیں، اسلئے موجود ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جن میں سے ایک نے کم و بیش آنحضرت صلعم کے اقوال و افعال واقعات میں سے کچھ نہ کچھ حصہ دوسروں تک پہنچایا ہے، یعنی جنہوں نے روایت کی خدمت انجام دی ہے اور یہی سبب ان کی تاریخ کی زندگی کا ہے۔

سنہ ۱۱ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور تقریباً سنہ ۴۰ھ تک اکابر صحابہ وجود میں رونق افروز رہے، سنہ ۱۱۰ھ تک اصاغر صحابہ کی جو عہد

ؔ On The origin and progress written down Historical facts among musalman. ۱۸۵۴ء میں لکھی اور الہ آباد سے شائع ہوئی۔

تھے خاصی تعداد میں موجود تھے اور صدی ختم ہونے تک اس نور نبوت کا تقریباً ہر چراغ گل ہو گیا تھا، ہر شہر میں سب سے آخر میں وفات پانیوالے صحابیوں کے نام اور سال وفات یہ ہیں۔

شمار	اسم گرامی	نام شہر	سال وفات
۱	ابو امامہ باہلی رض	شام	سنہ ۸۶ھ
۲	عبداللہ بن حارث بن جزیہ رض	مصر	سنہ ۸۶ھ
۳	عبداللہ بن ابی اوفی رض	کوفہ	سنہ ۸۷ھ
۴	سائب بن یزید	مدینہ	سنہ ۹۱ھ
۵	انس بن مالک	بصرہ	سنہ ۹۳ھ

حضرت انس بن مالک رض جنہوں نے اس فہرست میں سب سے آخر جگہ پائی ہے وہ آنحضرت صلعم کے خادم خاص تھے، دس برس تک مستقل حضرت کی خدمت میں رہے، وہ سنہ ۹۳ھ میں وفات پاتے ہیں۔

تابعین یعنی تلامذہ کا دور سنہ ۱ھ کے آغاز سے اس طرح شروع ہوتا ہے کہ گو وہ پیدا ہو چکے تھے، مگر آنحضرت کی زیارت سے محروم رہے یا بہت بچے تھے اور آنحضرت صلعم کا فیض نہ حاصل کر سکے، چنانچہ عبدالرحمٰن بن حارث تابعی تقریباً سنہ ۳ھ میں، قیس بن ابی حازم سنہ ۴ھ میں، سعید بن مسیب سنہ ۱۲ھ میں پیدا ہو چکے تھے، یہ دکھانے کے لئے کہ صحابہ رض کی گروہ در گروہ تابعین جو دنیائے اسلام کے گوشہ گوشہ میں پھیلے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقائع

وحالات اور احکام و قضایا کی تعلیم و تبلیغ اور اشاعت میں مصروف تھے ان کی مجموعی تعداد کیا ہوگی، یہاں صرف ایک مدینہ کے تابعین کی تعداد ابن سعد کے حوالہ سے بتاتا ہوں، طبقہ اولیٰ یعنی ان تابعیوں کی تعداد جنہوں نے بڑے بڑے صحابہ کو دیکھا تھا اور ان سے واقعات و مسائل سنے تھے ۱۳۹ ہے، طبقہ دوم یعنی وہ تابعی جنہوں نے مدینہ میں عام صحابیوں کو دیکھا اور ان سے سنا ۱۲۹ ہیں طبقہ سوم کے وہ تابعین جنہوں نے متعدد یا ایک صحابی کو دیکھا اور ان سے سنا ۸۷ ہیں، اس طرح تابعین کی کل تعداد ۳۵۵ ہے، یہ تعداد صرف ایک شہر کی ہے، اسی سے مکہ معظمہ، طائف، بصرہ، کوفہ، دمشق، یمن، مصر وغیرہ کے ان تابعیوں کا اندازہ لگاؤ جو اپنے اپنے شہروں میں صحابہ کرام کے تلمذ کا شرف رکھتے تھے اور جن کے شب و روز کا مشغلہ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل کی اشاعت و تبلیغ تھی، اس اہتمام کو خیال کرو کہ ہر صحابی سے جو کچھ روایتیں ہیں ان میں سے ہر ایک کا شمار کر لیا گیا ہے اور وہ گن لی گئیں، ان سے اندازہ کرو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات و اقوال کی فراہمی میں کس قدر بلیغ اہتمام کیا گیا ہے، صحابہ کرام میں سے جن اصحاب کی سب سے زیادہ روایتیں ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

شمار	اسمائے گرامی	روایتوں کی تعداد	سال وفات
۱	حضرت ابوہریرہ رضؓ	۵۳۷۴	۵۹ھ
۲	حضرت عبداللہ ابن عباس رضؓ	۲۶۶۰	۶۸ھ
۳	حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ	۲۲۱۰	۵۸ھ

۴	حضرت عبداللہ بن عمر رضی	۱۶۳۰	۷۳ھ
۵	حضرت جابر بن عبداللہ رضی	۱۵۴۰	۷۸ھ
۶	حضرت انس بن مالک رضی	۱۲۸۶	۹۳ھ
۷	حضرت ابوسعید خدری	۱۱۷۰	۷۴ھ

یہی وہ لوگ ہیں جن کی روایات آج سیرت نبوی کا سب سے بڑا سرمایہ ہیں، ان کی وفات کی تاریخوں پر نظر ڈالو تو معلوم ہوگا کہ ان کی وفات کے سال اس قدر متاخر ہیں کہ ان سے فیض اٹھانے اور ان کی روایتوں کو حفظ اور تدوین کرنے والوں کی تعداد بے شمار ہوگی، انہی باتوں کی واقفیت اور آگاہی کا نام اس زمانہ میں علم تھا اور وہ دینی اور دنیاوی دونوں عزتوں کا ذریعہ تھیں اس لئے ہزاروں صحابہ نے جو کچھ دیکھا اور جانا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم بَلِّغُوا عَنِّیْ (مجھ سے جو کچھ سنو اور دیکھو اس کی اشاعت کردو) فَلْیُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ (جو مجھے دیکھ رہے ہیں وہ جو مجھ سے سن رہے ہیں وہ ان کو مطلع کردیں جو اس سے محروم رہے ہیں) کے مطابق وہ سب اپنی اولادو عزیزوں، دوستوں اور ملنے والوں کو سناتے اور بتاتے رہتے تھے یہی ان کی زندگی کا کام اور یہی ان کے روز و شب کا مشغلہ تھا اس لئے صحابہ کے بعد فوراً ہی دوسری نوجوان پود ان معلومات کی حفاظت کے لئے کھڑی ہوگئی، ان میں سے ہر ایک کو ہر واقعہ کا لفظ بلفظ یاد کرنا پڑتا ہے انکو دہرانا پڑتا تھا اور حرفاً حرفاً محفوظ کرنا پڑتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں اپنے اقوال و افعال کی حفاظت و اشاعت کی تاکید کی تھی وہاں یہ بھی تہدید کی تھی کہ کوئی میرے متعلق

قصداً جھوٹ بات بیان کریگا اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا، اس اعلان کا یہ اثر تھا کہ بڑے بڑے صحابہ روایت کرتے وقت کانپنے لگتے تھے، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات نقل کی تو چہرے کا رنگ بدل گیا، تھرا گئے، پھر کہا حضورؐ نے ایسا ہی فرمایا تھا یا اسی کے قریب قریب فرمایا تھا، عربوں کا حافظہ فطرتاً نہایت قوی تھا، وہ سینکڑوں شعر کے قصیدے زبانی یاد رکھتے تھے، اس کے علاوہ فطرت کا قاعدہ ہے کہ جس قوت سے جس قدر کام لیا جائے اسی قدر زیادہ اس کو ترقی ہوتی ہے، صحابہؓ اور تابعینؒ نے قوت حفظ کو معراج کمال تک پہنچا دیا، وہ ایک ایک واقعہ اور ایک ایک حدیث کو اس طرح زبانی یاد کرتے تھے جیسے آج مسلمان قرآن مجید یاد کرتے ہیں، ایک ایک محدث کئی کئی ہزار اور کئی کئی لاکھ حدیثیں یاد کر رکھتا تھا اور گو بعد میں لوگ اپنی یادداشت لکھ بھی لیتے تھے، مگر جب تک وہ زبانی یاد نہ رکھتے اہل علم کی نگاہ میں ان کی عزت نہیں ہوتی تھی اور وہ خود اپنی تحریری یادداشتوں کو عیب کی طرح چھپاتے تھے تاکہ لوگ ایسا نہ سمجھیں کہ ان کو یہ چیزیں یاد نہیں۔

دوستو! بعض اورینٹلسٹ اسکالرس اور بعض پڑھے لکھے مشنریوں نے جن میں سب سے آگے سر ولیم میور اور گولڈ زیہر ہیں، اس بنا پر کہ روایات نبویؐ کی تحریر و تدوین کا کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ۹۰ برس کے بعد شروع ہوا۔ انکی صحت اور وثوق میں شک پیدا کرنا چاہا ہے، مگر ہم نے جس طرح اوپر تفصیل آپکے سامنے پوری روداد رکھی ہے اور بتایا ہے کہ صحابہ کس طرح واقعات کو یاد رکھتے تھے، کس طرح احتیاط برتتے تھے، کس طرح آنے والی نسلوں کو وہ امانت سپرد کرتے تھے اس سے خود اندازہ ہوگا کہ وہ روایات تحریری صورت میں بہت بعد کو آئی ہوں گی تاہم

ان کی صحت اور وثوق میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا۔

صحابہؓ نے اپنی معلومات کو عموماً تین اسباب سے قید تحریر میں لانا مناسب نہیں سمجھا، ان ابتداء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کے علاوہ کسی اور چیز کو کتاب کی صورت میں رکھنے کی ممانعت کردی تھی اور فرمایا تھا کہ قرآن کے علاوہ مجھ سے کچھ نہ لکھو لاتکتبوا عنی غیر القرآن۔ اور یہ اسلئے تھا کہ عام لوگوں کو قرآن اور غیر قرآن میں باہم التباس نہ ہو جائے، چنانچہ جب قرآن مسلمانوں میں پوری طرح محفوظ ہو گیا تو آخر میں خود آنحضرتؐ نے بعض صحابہؓ کو احادیث کی تحریر کی اجازت دیدی اس پر بھی اکثر صحابہ ان کو قید تحریر میں لانے سے آخر دم تک احتیاط برتتے رہے۔

(۲) صحابہ کو ڈر تھا کہ وقائع کے تحریری صورت میں آجانے کے بعد لوگوں کو پھر ان کے ساتھ وہ اعتناء توجہ اور مشغولیت باقی نہیں رہی اور لوگ تحریری مجموعہ کے موجود رہنے کے سبب سے انکے حفظ اور زبانی یاد رکھنے کی محنت سے جی چرائیں گے یہ ڈر بالکل صحیح ثابت ہوا چنانچہ جیسے جیسے سفینوں کا علم بڑھتا گیا سینوں کا علم گھٹتا گیا، نیز اسی سلسلہ میں ان کو یہ بھی خیال ہوا کہ ہر کس و ناکس مجموعہ کو ہاتھ میں لیکر عالم بننے کا دعوی کر بیٹھے گا۔ (۳) تیسری وجہ یہ تھی کہ عرب میں کسی واقعہ کو لکھ کر اپنے ذہن میں محفوظ رکھنا معیوب سمجھا جاتا تھا لوگ اسکو اپنی کمزوری کا اعلان خیال کرتے تھے، اسلئے کوئی چیز تحریر بھی کرلیں تو اس کو چھپائے رکھتے تھے۔

محدثین کا خیال تھا کہ زبانی یادداشت، تحریری یادداشت سے زیادہ محفوظ صورت ہے، تحریری یادداشت کو دوسروں کے تصرف سے محفوظ نہیں رکھا جا سکتا ہر وقت خطرہ رہتا ہے کہ کوئی اس میں کمی بیشی نہ کردے، مگر جو نقوش دلوں کی لوح پر کندہ

ہو جاتے ہیں، ان میں تغیر ممکن نہیں۔

آج پہلی دفعہ آپ کی مجلس میں اور سب سے پہلے آپکی مجلس میں اس حقیقت کو آشکارا کیا جاتا ہے کہ یہ قطعاً غلط ہے کہ سو برس یا نوے برس تک وقائع اقوال نبوی کا دفتر صرف زبانی روایتوں تک محدود رہا۔ اس غلط فہمی کا اصل سبب یہ ہے کہ احادیث و اخبار نبوی کی پہلی کتاب امام مالک رح کی مؤطا اور مغازی اور سیرت میں ابن اسحٰق کی کتاب کتاب المغازی سمجھی جاتی ہے۔ یہ دونوں بزرگوار ہم عصر تھے اور ان کی وفات بہ ترتیب ۱۷۹ھ اور ۱۵۱ھ میں ہوئی، اس لئے اخبار و سیرت کی سب سے پہلی تدوین کا زمانہ دوسری صدی ہجری کا اوائل سمجھا جاتا ہے، حالانکہ اس سے بہت پہلے احادیث و اخبار کی ترتیب و تدوین کا سراغ لگتا ہے، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ۱۰۱ھ میں وفات پائی، وہ خود بڑے عالم تھے، مدینہ کے امیر بھی رہ چکے تھے، ۹۹ھ میں خلیفہ ہوئے، انہوں نے اپنی خلافت کے زمانہ میں مدینہ منورہ کے قاضی ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم کو جو حدیث و خبر کے بڑے امام تھے، فرمان بھیجا کہ آنحضرت صلعم کے سنن و اخبار کی تحریر و تدوین کا کام شروع کردو، کیونکہ مجھے رفتہ رفتہ علم کے گم ہونے کا ڈر معلوم ہو رہا ہے، یہ واقعہ تعلیقات بخاری مؤطا اور مسند دارمی وغیرہ میں مذکور ہے، چنانچہ اس فرمان کی تعمیل کی گئی اور اخبار و احادیث اور سنن دفاتر میں لکھ کر دارالخلافہ میں آئے اور انکی نقلیں تمام اسلامیہ کے آخری شہروں میں بھیجی گئیں، ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزام کا انتخاب اس کام کیلئے اسلئے ہوا کہ وہ خود امام تھے، مدینۃ العلم مدینہ منورہ میں قاضی وقت تھے لیکن اس کے علاوہ اس لئے بھی یہ انتخاب موزوں تھا کہ ان کی خالہ عمرہ حضرت عائشہ رض کی سب سے بڑی شاگرد تھیں اور وہ روایتیں جو حضرت عائشہ سے تھیں ان کا سرمایہ

ابوبکر بن حزم کے پاس پہلے ہی سے جمع تھا، چنانچہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے انکو خاص عمرہ کی روایتوں کو تدوین کے متعلق بھی حکم دیا تھا۔[1]

عہد نبوی کا تحریری سرمایہ

آگے بڑھ کر ہم دعوی کرتے ہیں کہ خود عہد نبوی میں اخبار و سیر اور احکام و سنن کا تحریری سرمایہ جمع ہونا شروع ہو گیا تھا، فتح مکہ کے موقع پر آپ نے ایک خطبہ دیا تھا، صحیح بخاری میں ہے کہ ابوشاہ ایک یمنی صحابی کی درخواست پر آپ نے یہ خطبہ لکھا کر ان کے حوالہ کر دینے کا حکم دیا (باب کتابتہ العلم) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلاطین کے نام جو خطوط روانہ کئے وہ لکھے ہوئے تھے، دس پندرہ برس ہوئے کہ وہ آپ کا خط جو مقوقش شاہ مصر کے نام آپ نے بھیجا تھا، ایک عیسائی گرجے کی کسی کتاب میں لگا ہوا ہے، گمان کیا جاتا ہے کہ بعینہ یہ وہی نامہ ہے جو آپ نے لکھوایا تھا، اس کے فوٹو عام طور سے ملتے ہیں اور مہر میں نام کے وہی الفاظ اور صورت تحریر ہے جس طرح حدیثوں میں بیان آیا ہے یہ اسلامی روایات کی صداقت کی کتنی بڑی دلیل ہے، حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن عمر و بن العاص رضہ کے سوا مجھ سے زیادہ کسی کو حدیث یاد نہیں، مجھ سے زیادہ ان کے پاس حدیثوں کا سرمایہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنتے ان کو لکھتے جاتے تھے اور میں لکھتا نہ تھا (بخاری باب کتابتہ العلم) ابوداؤد اور مسند ابن حنبل میں ہے کہ بعض لوگوں نے عبد اللہ بن عمرو سے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی غصہ کی حالت میں ہوتے ہیں، کبھی خوش رہتے ہیں اور تم سب کچھ لکھ لیتے ہو، عبد اللہ بن عمرو نے اس بنا پر لکھنا چھوڑ دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ بیان کیا آپ دہن مبارک کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا، تم لکھ لیا کرو۔ اس سے جو کچھ

---

[1] مختصر بیان العلم ابن عبد البر صفحہ ۲۰ مطبوعہ مصر

نکلتا ہے حق نکلتا ہے،، (ابوداؤد جلد ۲ صـ۱۷۷)

حضرت عبداللہ بن عمرو نے اپنے مجموعہ کا نام ،،صادقہ،، رکھا تھا (ابن سعد ج ۲ قسم ۲ ص ۱۲۵) اور کہا کرتے تھے کہ مجھے اپنے زندگی کی آرزو صرف دو چیزوں نے پیدا کر دی ہے، ایک صادقہ اور یہ صادقہ وہ صحیفہ ہے جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر لکھا ہے (دارمی صـ۶۹) مجاہد کہتے ہیں کہ ہم نے عبداللہ بن عمرو صحابی کے پاس ایک کتاب رکھی دیکھی، دریافت کیا کہ یہ کیا ہے؟ فرمایا کہ یہ صادقہ ہے جس کو میں نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا جس میں میرے اور آپ کے درمیان کوئی دوسرا نہیں ہے (ابن سعد ۲ ۲۰۲٫۵ صحیح بخاری میں ہے کہ مدینہ منورہ آنے کے کچھ مدت بعد آپ نے مسلمانوں کی مردم شماری کرائی اور ان کے نام لکھوائے تو پندرہ سو لکھوائے (باب الجہاد، زکوٰۃ کے احکام، مختلف چیزوں پر زکوٰۃ اور اس زکوٰۃ کی مختلف شرحیں جو لمبے دو صفحوں میں ہے، ان کو لکھوا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امراء کو بھیجا تھا، اور حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے پاس ابوبکر بن عمرو بن حزم کے خاندان میں اور متعدد اشخاص کے پاس موجود تھیں (دارقطنی کتاب الزکوٰۃ ۲۰۹) زکوٰۃ کے تحصیلین کے پاس دیگر تحریری ہدایات بھی موجود تھیں (دارقطنی ۲۰۴) حضرت علی کے پاس ایک صحیفہ تھا جو انکی تلوار کی نیام میں پڑا رہتا تھا اسمیں متعدد حدیثیں متعلقہ احکام قلمبند تھے اور انہوں نے اسکو لوگوں کی درخواست پر دکھایا تھا بخاری ۲ صفحہ ۸۴۰ و ۱۰۲۰) حدیبیہ میں جو صلحنامہ آنحضرتؐ اور کفار قریش کے درمیان حضرت علی رضؓ نے لکھا تھا اس کی نقل قریش نے لی اور ایک آنحضرتؐ نے اپنے پاس رکھی (ابن سعد مغازی ص ۷۱) عمرو بن حزم کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو ایک تحریر لکھوا کر حوالہ کی جس میں فرائض، صدقات، دیات وغیرہ کے متعلق

بہت سی ہدایتیں تھیں (کنز العمال ۲ صفحہ ۱۸۶) عبداللہ بن الحکیم کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ پہنچا جس میں ہر وہ جانور کے متعلق حکم درج تھا (معجم صغیر طبرانی صفحہ ۲۱۷) وائل بن حجر صحابی جب بارگاہ نبوی سے اپنے وطن حضر موت جانے لگے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خاص طور پر ایک نامہ لکھوا کر دیا جس میں نماز روزہ، ربوا، شراب اور دیگر احکام تھے (طبرانی صغیر صفحہ ۲۴۲) ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے مجمع سے پوچھا کہ کسی کو معلوم ہے کہ آنحضرت صلعم نے شوہر کی دیت میں سے بیوی کو کیا دلایا؟ ضحاک بن سفیان نے کھڑے ہو کر کہا مجھے معلوم ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو یہ لکھوا کر بھیجا تھا (دار قطنی ۲ صفحہ ۲۸۸)

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے عہد حکومت (۹۹ھ تا ۱۰۱ھ) میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان متعلق صدقات کی تلاش کے لئے اہل مدینہ کے پاس قاصد بھیجے تو وہ آل عمرو بن حزم کے ہاں مل گیا (دار قطنی صفحہ ۱۵۱) آپ نے جو اہل یمن کو جو احکام لکھوا کر بھجوائے تھے، ان میں یہ مسئلے تھے، قرآن شریف صرف پاکی کی حالت میں چھوا جائے، غلام خریدنے سے پہلے آزاد نہیں کیا جا سکتا اور نکاح سے پہلے طلاق نہیں (دارمی صفحہ ۲۹۳) حضرت معاذ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لکھ کر غالباً یمن سے یہ دریافت کیا کہ کیا سبزیوں میں زکوٰۃ ہے؟ آپ نے تحریری جواب دیا کہ سبزیوں پر زکوٰۃ نہیں (دار قطنی ۲۰۱) مروان نے خطبہ میں بیان کیا کہ مکہ حرم ہے رافع بن خدیج صحابی نے پکار کر کہا اور مدینہ بھی حرم ہے اور یہ حکم میرے پاس لکھا ہوا موجود ہے، اگر تم چاہو تو میں اس کو پڑھ کر سناؤں (ابن حنبل ج ۴ ص ۱۴۱) ضحاک بن قیس نے نعمان بن بشیر صحابی کو لکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی نماز میں سورۂ جمعہ کے سوا اور کون کون سورۃ پڑھتے تھے، انہوں نے جواب لکھا کہ ھَلْ اَتٰکَ

(مسلم ص۲۲۳) حضرت عمرؓ نے عتبہ بن فرقد کو خط لکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حریر پہننے سے منع فرمایا ہے (مسلم ۲-۲۰۷)

یہ وہ احکام و مسائل ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف لوگوں کو لکھوا کر دیئے یا بھجوا دیئے، ہمارے پاس ایسے شواہد بھی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ بڑے بڑے صحابہ احکام و سنن کو کتابی صورتوں میں لائے یا لانا چاہا حضرت ابوبکرؓ نے ایک مجموعہ اپنے زمانۂ خلافت میں مرتب کیا پھر اس کو پسند نہ کیا اور ضائع کر دیا (تذکرۃ الحفاظ) حضرت عمرؓ نے اس مسئلہ پر اپنے زمانۂ خلافت میں غور فرمایا، اور بہت کچھ سوچتے رہے مگر پھر ہمت نہ کی، ابھی آپ سن چکے ہیں کہ حضرت عبد اللہؓ بن عمرو نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے ایک نسخہ لکھا تھا جس میں آپ کے ملفوظات تھے، اس کو دیکھنے آتے تھے اور وہ اس کو دکھاتے تھے (ترمذی ۲-۸۴ ص) حضرت علیؓ کے فتاویٰ کا بڑا حصہ لکھا ہوا حضرت عبد اللہؓ ابن عباس کو پیش کیا گیا (مسلم مقدمہ) حضرت عبد اللہؓ ابن عباس کی روایتوں کے مختلف تحریری مجموعے تھے، اہل طائف میں کچھ لوگ ان کا ایک مجموعہ انکو پڑھ کر سنانے کیلئے لائے (کتاب العلل ترمذی ص۶۹۱) سعید ابن جبیر ان کی روایتوں کو لکھا کرتے تھے (دارمی) عبد اللہؓ بن عمروؓ کا صحیفہ صادقہ ان کے پوتے عمرو بن شعیب کے پاس موجود تھا (ترمذی ۲،۳،۱۱) اور بیچارے اس لئے ضعیف سمجھے جاتے تھے کہ وہ اپنے دادا کی کتاب دیکھ کر روایت کرتے تھے، خود حافظ نہیں ہیں (تہذیب ۴۸-۹) حضرت جابر بن عبد اللہؓ کی روایتوں کا مجموعہ وہب تابعی نے تیار کیا تھا جو اسمٰعیل بن عبد الکریم کے پاس تھا اور وہ اسلئے ضعیف سمجھے جاتے تھے (تہذیب ج ا ص ۳۱۶)

حضرت جابرؓ کی روایتوں کا دوسرا مجموعہ سلیمان بن قیس لشکری نے تیار کیا تھا اور

ابوالزبیر، ابوسفیان اور شعبی نے جو ائمہ حدیث میں ہیں اور تابعی ہیں، حضرت جابر نے صحیفہ کو ان سے سنا تھا (تہذیب ج ۱ ص ۲۱۱) سمرہ بن جندب صحابی سے ان کے بیٹے سلیمان روایتوں کا نسخہ روایت کرتے ہیں اور ان سے ان کے بیٹے حبیب (تہذیب التہذیب ۴-۱۹۸) حضرت ابوہریرہ جن سے زیادہ صحابہؓ میں کوئی حافظ حدیث نہ تھا ان کی روایتوں کا کچھ مجموعہ ہمام ابن منبہ نے تیار کیا تھا جو صحیفہ ہمام کے نام سے حدیث میں مشہور ہے، اسکو امام احمد حنبل نے مسند جلد ۲ میں صحفہ ۳۱۸ تک نقل کیا ہے، بشیر ابن نہیک نے حضرت ابوہریرہ سے انکی روایتوں کا مجموعہ لکھا اور پھر اس کی روایت کی ان سے اجازت لی (کتاب العلل ترمذی ۶۹۱ دارمی ۶۸) حضرت ابوہریرہ ایک دفعہ ایک صاحب کو اپنے مستقر پر بلالائے اور دکھایا کہ یہ اوراق میرے مرویات ہیں، راوی کہتا ہے کہ ان کے ہاتھ کے نہیں، بلکہ کسی اور کے ہاتھ کے لکھے ہوئے تھے۔ فتح الباری جلد ا ص ۱۸۴-۱۸۵)

حضرت انسؓ دوسرے صحابی ہیں جن سے بکثرت روایتیں ہیں وہ خود اپنے بیٹوں سے کہا کرتے تھے کہ میرے بچو! علم کو تحریر کی قید وبند میں لاؤ (دارمی ص ۶۸) ابان ان کے شاگرد ان کے سامنے بیٹھ کر ان کی روایتیں قید تحریر میں لایا کرتے تھے (دارمی ص ۶۸) سلمیٰ ایک خاتون کہتی ہیں کہ انہوں نے عبداللہ ابن عباسؓ کو دیکھا کہ وہ ابورافعؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام سے آنحضرت ﷺ کے کارنامے لکھا کرتے تھے (ابن سعد ۲ قسم ۲ ص ۱۲۳) واقدی نے جو سیرت نبوی کے ابتدائی مصنفوں میں سے ہیں ایک سے بیان کیا کہ منذر بن ساوی رئیس عمان کے نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خط بھیجا تھا وہ ابن عباس کی کتابوں کے ساتھ میں نے دیکھا (زاد المعاد ۲-۵۷) غزوہ بدر کا مفصل حال عروہ بن زبیر نے لکھ کر خلیفہ عبدالملک کو بھیجا تھا (طبری ص ۱۲۸۴)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ آنحضرتؐ کے خادم خاص تھے اور انکو آنحضرتؐ کی بارگاہ میں حاضری کا اذن عام تھا، ان کو شکایت تھی کہ لوگ میرے پاس آکر سن جاتے ہیں اور اس کو جا کر لکھ لیتے ہیں، اور میں قرآن مجید کے سوا اور کسی چیز کے لکھنے کو حلال نہیں جانتا (دارمی ۶۷) سعید بن جبیر تابعی کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ ابن عمر اور ابن عباس سے رات کو روایتیں سنتا تھا تو پالان پر لکھتا تھا، صبح کو پھر میں اس کو صاف کر لیتا تھا (دارمی ۹) براء بن عازبؓ صحابی کے پاس لوگ بیٹھ کر ان کی روایتوں کو لکھا کرتے تھے نافع جو حضرت عمرؓ کی خدمت میں ۳۰ برس رہے تھے اور اپنے سامنے لوگوں کو لکھوایا کرتے تھے (دارمی ص ۶۹)

عبداللہ بن مسعودؓ کے صاحبزادہ عبدالرحمن ایک کتاب نکال لائے اور قسم کھا کر کہا، یہ خود حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے (جامع ۱۷) سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ ہم لوگوں میں بعض باتوں میں اختلاف ہوتا تھا تو ان کو لکھتے تھے پھر حضرت ابن عمرؓ کے پاس اس یادداشت کو چھپا کر لاتے تھے، ان سے پوچھتے تھے اگر ان کو اس کا پتہ چل جاتا، تو بس ہمارے اور ان کے درمیان فاصلہ ہی تھا (جامع ۳۳)

اسود تابعی کہتے ہیں کہ مجھ کو اور علقمہ کو ایک صحیفہ مل گیا، اس کو لے کر ہم حضرت عمرؓ کے پاس آئے تو انہوں نے مٹا دیا (جامع ۳۳) حضرت زید بن ثابتؓ کاتب وحی تھے، ان کو بھی روایتوں کو تحریر میں لانے سے انکار تھا تو مروان نے یہ تدبیر کی کہ ان کو سامنے بٹھایا، اور پردہ کے پیچھے کاتب مقرر کئے کہ وہ خود بولتے جائیں یہ لکھتے جائیں (جامع ۳۳) حضرت معاویہؓ نے بھی ایک ان کی حدیث اس طرح لکھوائی تھی، لیکن انہوں نے زبردستی مٹوا دی (احمد ص ۱۸۲)

حضرات! شاید آپ ٹھوس واقعات اور اشخاص کے نام سنتے سنتے گھبرا اٹھے ہوں لیکن اطمینان رکھیئے ہم اس مقام پر پہنچ گئے ہیں، جہاں سے صاف اور سیدھا راستہ نظر آرہا ہے۔ میں نے ان اقتباسات اور حوالوں میں یہ دکھایا ہے کہ اگر تحریری سرمایہ ہی دنیا میں قابل وثوق ہو سکتا ہے تو خود عہد نبوی میں صحابہ نے اپنے ہاتھوں سے جمع کیا اور پچھلوں کے لئے یادگار چھوڑا، اور پچھلوں نے اس کو اپنی کتابوں میں داخل کر لیا۔ اب ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ صحابہ ہی کی زندگی میں تابعین نے ان کے تمام مرویات، واقعات و حالات کو ایک ایک سے پوچھ کر ایک ایک کے دروازے پر جاکر بوڑھے، جوان، عورت، مرد سب سے تحقیق کر کے ہمارے لئے فراہم کر دیا تھا محمد بن شہاب زہری، ہشام بن عروہ، قیس بن ابی حازم، عطا بن ابی رباح، سعید بن جبیر، ابو الزناد وغیرہ سینکڑوں تابعین ہیں، جنھوں نے دیوانہ وار ایک ایک گوشہ سے ایک ایک دانہ جمع کر لیا، اور ہمارے سامنے اس کا انبار لگا دیا شہاب زہری نے جو حدیث اور سیرت کے بڑے امام ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک چیز کو لکھا، ابو الزنا کہتے ہیں کہ ہم صرف حلال اور حرام لکھتے تھے اور زہری طلب علم میں وہ سب لکھے جاتے تھے (جامع ۷۳) ابن کیسان کہتے ہیں کہ میں اور زہری طلب علمی میں ساتھ تھے، میں نے کہا کہ سنن لکھوں گا، چنانچہ جو کچھ آنحضرت ؐ کے متعلق تھا سب لکھا زہری نے کہا صحابہ سے جو کچھ متعلق ہے وہ بھی لکھوں کہ وہ بھی سنت ہے میں نے کہا وہ سنت نہیں، چنانچہ میں نے نہیں لکھا، انھوں نے لکھا، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کامیاب اترے اور میں برباد ہو گیا (ابن سعد قسم ۲ ص ۱۳۵) ان امور کو قید تحریر میں لانے والے سینکڑوں تابعی تھے جن میں سے ایک امام زہری ہیں، صرف ان کی تحریروں

کا انبار تھا، کہ ولید بن یزید کے قتل کے بعد زہری کے دفتر جانوروں پر بار کر کے خزانہ سے لائے گئے تھے،

امام ۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۲۴ھ میں وفات پائی وہ نسبًا قریشی تھے انہوں نے جس محنت، کاوش اور استقصا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور اقوال جمع کئے، اس کا اندازہ مورخین کے اس بیان سے کرو کہ " وہ مدینہ منورہ کے ایک ایک انصاری کے گھر جاتے، جوان، بڈھے، عورت، مرد، جو مل جاتا، یہاں تک کہ پردہ نشین عورتوں سے جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وحالات پوچھتے اور قلمبند کرتے (تہذیب ترجمہ زہری) اس زمانہ میں بکثرت صحابہ زندہ تھے، زہری کے تلامذہ کی فہرست بہت طویل ہے اور یہ کل کے کل روز وشب آنحضرت صلی اللہ علیہ کے اقوال وافعال اور احوال کی جمع وترتیب، تعلیم وتدریس اور نشر واشاعت میں مشغول تھے، یہی ان کی زندگی کا کام تھا، اس کے سوا دنیا کے ہر کام سے وہ کنارہ کش ہو گئے تھے،

غلط فہمی کا بڑا سبب یہ ہے کہ عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ احادیث وسیر کی تدوین وتحریر کا کام تابعین نے شروع کیا، اور تابعین ان کو کہتے ہیں جنہوں نے صحابہ کو دیکھا اور ان سے فیض پایا، اور صحابہ کا زمانہ سو برس تک تقریبًا رہا تو گویا تابعین کا عہد سو برس بعد شروع ہوا، اور اس طرح گویا تدوین وتحریر کا سلسلہ کا آغاز سو برس کے بعد شروع ہوا، حالانکہ یہ تمام تر غلط ہے، تابعین ان کو کہتے ہیں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل نہیں کیا اور صحابہ کی زیارت کی، اور ان سے مستفید ہوئے، عام اس سے کہ وہ آنحضرتؐ کے زمانہ

میں ہوں، مگر زیارت کا موقع نہ ملا یا عہد نبوی کے آخر میں پیدا ہوئے اس لئے آپ سے مشرف نہ ہوئے، یا آپ کی وفات (ربیع الاول سنہ ۱۱ھ) کے بعد پیدا ہوئے۔ وہ سب تابعین میں داخل ہیں، اسی طرح دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ تابعین کا عہد خود آپ کی زندگی میں ہی اور کم از کم یہ کہ سنہ ۱۱ھ سے شروع ہو گیا، اس لئے سنہ ۱۱ھ سے جو کام شروع ہوا اس کے متعلق یہ کہہ سکتے ہیں کہ تابعین نے اس کام کا آغاز کیا تابعین کا کارنامہ ہونے کیلئے ایک ایک صحابی کے دنیا سے رخصت ہو جانے کی ضرورت نہیں اور نہ سو برس کا زمانہ گذرنے کی حاجت ہے وہ تو تابعیت کا آخری عہد تھا جس کے بعد تابعیت کے شرف کا خاتمہ ہوتا ہے، کیونکہ صحابہ رض کے وجود کا خاتمہ ہو گیا جن کی دیدار کے شرف سے لوگ تابعی بنتے تھے، الغرض اس تفصیل سے ثابت ہوگا کہ یہ کہنا کس درجہ دھوکا ہے کہ مسلمانوں اخبار وسیر کی ترتیب کا کام سو برس کے بعد شروع ہوا۔

مسلمانوں میں اخبار و سیر اور احکام و سنن کی ترتیب اور تدوین کے درحقیقت تین دور ہیں، اول یہ کہ ہر شخص نے صرف اپنے ذاتی معلومات کو یکجا کیا، دوسرا دور یہ آیا کہ ہر شہر کے معلومات ایک جگہ فراہم کئے گئے، تیسرا دور وہ آیا جب تمام دنیائے اسلام کے معلومات اکٹھا کئے گئے اور ان کو موجودہ کتابوں کی صورت میں جمع کیا گیا، پہلا دور غالباً سنہ ۱۰۰ھ تک قائم رہا، دوسرا دور سنہ ۱۵۰ھ تک رہا، اور تیسرا دور سنہ ۱۵۰ھ سے تیسری صدی کے کچھ دنوں بعد تک قائم رہا، پہلا دور صحابہ رض اور اکابر تابعین کا تھا دوسرا دور تبع تابعین کا تھا، اور تیسرا دور امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام احمد حنبل وغیرہ کا تھا پہلے دور کا تمام سرمایہ دوسرے دور کی تمام کتابوں میں ہے اور دوسرے دور کی کتابوں کا تمام مواد تیسرے دور کی کتابوں میں کھپا دیا گیا اور

دوسرے اور تیسرے دور کی کتابوں کا سرمایہ آج ہزاروں اوراق میں ہمارے پاس موجود ہے وہ دنیا کی تاریخ کا سب سے گراں بہا، معتبر تر، مستند تر ذخیرہ ہے جس سے زیادہ مستند اور معتبر دنیا کی تاریخ کے خزانے میں کوئی اور ذخیرہ نہیں۔

حضرات! بقول علامہ شبلی نعمانی رحؒ کے اس قسم کی زبانی روایتوں کے قلمبند کئے جانے میں جو دوسری قوموں کو پیش آیا ہے یعنی کسی زمانہ کے حالات مدت کے بعد قلمبند کئے جاتے ہیں تو یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے کہ ہر قسم کی بازاری افواہیں قلمبند کر لی جاتی ہیں جن کے راویوں کا نام و نشان تک معلوم نہیں ہوتا، ان افواہوں میں سے وہ واقعات انتخاب کر لیئے جاتے ہیں جو قرائن اور قیاسات کے مطابق ہوتے ہیں تھوڑے زمانہ کے بعد یہی خرافات ایک دلچسپ تاریخی کتاب بن جاتے ہیں، یورپ کی اکثر پرزور بلیغ تصنیفات اسی اصول پر لکھی گئی ہیں۔

لیکن مسلمانوں نے اس فن سیرت کا جو معیار قائم کیا ہے وہ اس سے بہت زیادہ بلند تھا، اس کا پہلا اصول یہ تھا کہ جو واقعہ بیان کیا جائے اس شخص کی زبان سے بیان کیا جائے جو خود شریک واقعہ تھا، اور اگر خود نہ تھا تو شریک واقعہ تک تمام درمیانی راویوں کے نام به ترتیب بیان کئے جائیں، اس کے ساتھ یہ بھی تحقیق کی جائے کہ جو اشخاص سلسلہ روایت میں آئے کون لوگ تھے؟ کیسے تھے؟ ان کے مشاغل کیا تھے؟ ان کا چال چلن کیسا تھا؟ سمجھ کیسی تھی؟ ثقہ تھے یا غیر ثقہ؟ سطحی ذہن تھا یا نکتہ رس عالم تھے یا جاہل؟ ان جزئی باتوں کا پتہ لگانا سخت مشکل تھا، لیکن محدثین نے اپنی عمریں اسی کام میں صرف کر دیں، ایک ایک شہر میں گئے، راویوں سے ملے ان کے متعلق ہر قسم کے حالات دریافت کئے، انہیں تحقیقات کے ذریعہ سے اسماء الرجال کا وہ عظیم الشان فن

ایجاد کیا، جس کی بدولت کم از کم لاکھ شخصوں کے حالات معلوم ہو سکتے ہیں۔

یہ تو صرف روایت کے متعلق تھا، اصول تنقید اور درایت یعنی عقلی حیثیت سے روایتوں کو پرکھنے کے اصول و قواعد الگ ترتیب دیئے اور بتایا کہ کیوں کر اس حیثیت سے روایتوں کی تصحیح و تغلیط کی جا سکتی ہے، راویوں کی چھان بین اور تحقیق میں اس درجہ دیانتداری اور حق گوئی سے کام لیا کہ وہ واقعات آج اسلام کے مفاخر میں ہیں، راویوں میں بڑے بڑے خلفاء اور امراء بھی تھے، جن کی تلواروں کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی، مگر محدثین نے نڈر ہو کر سب کی پردہ دری کی اور ان کا وہی درجہ دیا جو اس بارگاہ میں ان کو مل سکتا تھا، امام وکیع بڑے محدث تھے لیکن ان کے باپ سرکاری خزانچی تھے، اس بنا پر وہ خود ان سے جب روایت کرتے تو ان کی تائید میں کسی دوسرے راوی کو ضرور ملا لیتے۔ یعنی تنہا اپنے باپ کی روایت کو تسلیم نہیں کرتے تھے[1]، اس احتیاط اور حق پسندی کی کوئی حد ہے، خود ہی ایک محدث ہیں ۱۵۸ھ میں ایک امام معاذ بن معاذ نے ان کو دیکھا کہ ان کو اپنی تحریری یادداشت کے دیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے تو انہوں نے فوراً انکے حافظہ سے اپنی بے اعتباری ظاہر کر دی[2] یہی امام معاذ بن معاذ وہ بزرگ ہیں کہ ان کو ایک شخص نے دس ہزار دینار جن کی قیمت آج دس ہزار گنی (اشرفی) سے زیادہ ہے صرف اس معاوضہ میں پیش کرنے چاہے کہ وہ ایک شخص کو نہ معتبر (عدل) اور نہ غیر معتبر کہیں، یعنی اس کے متعلق خاموش رہیں انہوں نے اشرفیوں کے اس توڑے کو حقارت سے ٹھکرا دیا اور فرمایا کہ میں کسی حق کو چھپا نہیں سکتا[3]، کیا تاریخ اس سے زیادہ احتیاط اور اس سے زیادہ وثوق کی کوئی مثال پیش کر سکتی ہے؟

---

[1] تہذیب تہذیب ج ۱۱ ص ۱۲۹ [2] ایضاً ج ۱۰ ص ۲۱۱ [3] ایضاً ج ۱۰ ص ۲۳

اس سے زیادہ حیرت انگیز واقعہ یہ ہے کہ تمام کچا پکا، صحیح اور غلط، قوی اور ضعیف، قابل قبول اور ناقابل قبول روایتوں کا انبار آج بھی دنیا کے سامنے موجود ہے اور آج بھی انہیں اصول کے مطابق ہر ایک واقعہ کی پوری تنقید کی جا سکتی ہے اور کھرے کھوٹے کو الگ کیا جا سکتا ہے۔

حضرات! ان خشک تحقیقات میں میں نے آپ کا بڑا وقت لیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کا تاریخی پہلو اب بہت حد تک آپ کے سامنے آ گیا ہوگا اب میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور واقعات کا جو سرمایہ فراہم ہوا، ان کے کیا کیا ماخذ قرار پائے اور ان کو کس کس طرح ترتیب دیا گیا، سیرت مبارکہ کا سب سے اہم، سب سے مستند تر اور زیادہ صحیح حصہ تو وہ ہے جس کا ماخذ خود قرآن پاک ہے جس کی صحت اور معتبری میں دوست کیا دشمن بھی شک نہ کر سکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے تمام ضروری اجزا، قبل نبوت کی زندگی یتیمی غربت، تلاش حق، نبوت، وحی، اعلان و تبلیغ، معراج، مخالفین کی دشمنی ہجرت، لڑائیاں، وقائع اخلاق سب اس میں موجود ہیں اور اس سے زیادہ معتبر تاریخی سیرت دنیا کے پردہ پر کوئی موجود نہیں۔

۲- دوسرا ماخذ احادیث ہیں جو ایک لاکھ کے قریب ہیں جن میں صحیح الگ، کمزور الگ، جعلی الگ ہیں، صحاح ستہ کا سرمایہ ہے جس کا ایک ایک واقعہ تولا اور پرکھا ہوا ہے مسانید ہیں جن میں سب سے ضخیم امام ابن حنبل کی مسند ہے جو ۶ جلدوں میں ہے اور ان میں سے ہر جلد کی ضخامت مصر کے بڑے باریک صفحے کے ٹائپ میں پانچ پانچ سو صفحوں سے کچھ زیادہ ہوگی، اس میں ایک ایک صحابی کی روایتیں الگ الگ ہیں۔ ان مجموعوں

میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور تعلیمات سب کچھ ملے جلے ہیں۔

۳۔ تیسرا ماخذ مغازی ہیں جن میں مغازی عروہ بن زبیر المتوفی ۹۴ھ مغازی زہری المتوفی ۱۲۴ھ مغازی موسیٰ بن عقبہ المتوفی ۱۴۱ھ مغازی ابن اسحاق المتوفی ۱۵۰ھ مغازی زید البکائی المتوفی ۱۸۳ھ مغازی واقدی المتوفی ۲۰۷ھ وغیرہم قدیم ہیں۔

۴۔ چوتھا ماخذ عام تاریخ کی کتابیں ہیں جن کا پہلا حصہ خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوانح پر ہے، ان میں سب سے زیادہ معتبر اور مبسوط طبقات ابن سعد اور تاریخ الرسل والملوک امام ابوجعفر طبری، تاریخ صغیر و کبیر امام بخاری، تاریخ ابن حبان اور تاریخ ابن ابی خثیمہ بغدادی المتوفی ۲۹۹ھ وغیرہ ہیں۔

۵۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور روحانی کارناموں کا الگ الگ دفتر ہے جن کو کتب دلائل کہتے ہیں۔ مثلاً دلائل النبوت ابن قتیبہ المتوفی ۲۷۶ھ دلائل النبوت ابو اسحاق حربی المتوفی ۲۸۵ھ دلائل امام بیہقی المتوفی ۴۵۸ھ دلائل ابو نعیم اصفہانی المتوفی ۴۳۰ھ دلائل مستغفری المتوفی ۴۳۲ھ دلائل ابو القاسم اسمٰعیل اصفہانی المتوفی ۵۳۵ھ اور سب سے زیادہ مبسوط کتاب اس فن میں امام سیوطی کی خصائص کبریٰ ہے۔

۶۔ چھٹا ماخذ کتب شمائل ہیں، یعنی وہ کتابیں جو صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات اور فضائل اور معمولات زندگی پر لکھی گئی ہیں جن میں سب سے پہلے اور مشہور کتاب امام ترمذی المتوفی ۲۷۹ھ کی کتاب الشمائل ہے، جس کی بڑے بڑے علماء نے مبسوط شرحیں لکھی ہیں اور سب سے ضخیم اور بڑی کتاب اس فن کی کتاب الشفا فی حقوق المصطفٰی قاضی عیاض کی اور اس کی شرح نسیم الریاض شہاب خفاجی کی ہے اسی فن کی دوسری کتاب شمائل النبی ابو العباس مستغفری المتوفی ۴۳۲ھ اور

شمائل النور الساطع ابن المقری غرناطی المتوفی ۵۵۲ھ اور سفر السعادہ مجد الدین فیروز آبادی المتوفی ۸۱۷ھ کی ہیں۔

۷۔ اس سے الگ وہ کتابیں ہیں جو مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے حالات میں ہیں جن میں ان شہروں کے عام حالات کے علاوہ آنحضرت صلعم کے مقامی حالات اور ان مقامات کے نام و نشان ہیں جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی تعلق ہے اس قسم کی کتابوں میں سب سے قدیم اخبار مکہ الازرقی المتوفی ۲۲۳ھ اخبار مدینہ عمر بن شبہ المتوفی ۲۶۲ھ اخبار مکہ فاکہی اخبار مدینہ ابن زبالہ وغیرہ۔

حضرات! میں نے سیرت مبارکہ کے تاریخی سرمایہ کا جو نقشہ آپ کے سامنے آج کے خطبہ میں پیش کیا ہے، اس سے موافق و مخالف ہر ایک کو اندازہ ہو سکتا ہے کہ سیرت محمدی کی تاریخی حیثیت کیا ہے، صرف زبانی حفظ اور تحریری یادداشت ہی پر محدثین سلف اور خلفائے اسلام نے قناعت نہیں کی بلکہ اس فن کے بڑے بڑے اماموں کے لئے مغازی کی تعلیم کی غرض سے درسگاہوں اور مسجدوں میں حلقے قائم کئے، حضرت قتادہ رضؓ انصاری صحابی تھے، ان کے پوتے عاصم بن عمر جو مغازی کے امام تھے اور جنہوں نے ۱۲۱ھ میں وفات پائی ہے، خلیفہ عمر بن عبد العزیز کے حکم سے پایہ تخت دمشق کی جامع مسجد میں بیٹھ کر اس کا درس دیتے تھے (تہذیب) غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے لے کر اس وقت تک ہر زمانہ میں ہر ملک میں ہر زبان میں آپ کے واقعات، حالات اور ارشادات میں جو کتابیں لکھی گئیں ان کا اندازہ کئی ہزار سے زیادہ ہو گا، اردو تحریری ذخیرہ سو دو سو برس سے زیادہ کا نہیں، اسمیں ٹھوس تصنیف کا عہد ۱۸۵۷ء کے پیش و پیش شروع ہوتا ہے تاہم اس وقت تک کئی سو چھوٹی

بڑی کتابیں اس موضوع پر اس میں لکھی جا چکی ہیں۔

مسلمانوں کو چھوڑ کر ان کا تو دین و ایمان ہی اس سرکار کی عقیدت و غلامی ہے دشمنوں کے کیمپ میں آئیے، ہندوستان میں ہندؤوں نے، سکھوں نے عیسائیوں نے نے برہمو سماجیوں نے آپ کی سیرتیں لکھی ہیں یا یورپ جہاں کو سرورکائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ عقیدت نہیں وہاں بھی مستشرقی کی خدمت کے لئے یا علمی ذوق یا تاریخ عالم کی تکمیل کیلئے لائف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر کتابیں لکھی گئیں آج سے غالباً ۷۰ ابرس پہلے دمشق کے ایک علمی رسالہ المقتبس میں شمار چھپا تھا کہ اس وقت تک یورپ کی مختلف زبانوں میں پیغمبر اسلام کے متعلق تیرہ سو ۱۳۰۰ کتابیں لکھی جا چکی ہیں اس کے بعد اس عہد کی اور کتابوں کو ملا دو تو یہ شمار کہاں تک پہنچے گا، انگریزی زبان میں پروفیسر مارگیولیتھ جو اوکسفورڈ یونیورسٹی میں عربی زبان کے پروفیسر ہیں کی کتاب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو ۱۹۰۵ء میں ہیروز آف دی نیشنس کے سلسلے میں چھپی ہے، اس سے زیادہ زہریلی کوئی کتاب سیرت نبوی پر انگریزی میں نہیں لکھی گئی، اس میں اس شخص نے ہر واقعے کے متعلق انتہائی سند بہم پہنچا کر اس کو بگاڑ کر دکھانے کی کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، تاہم وہ اس مقدمہ اس حقیقت کے اعتراف سے باز نہ رہ سکا، محمد کے سوانح نگاروں کا ایک طویل سلسلہ ہے جس کا ختم ہو جانا ناممکن ہے لیکن اس میں جگہ پانا قابل عزت ہے۔

جان ڈیون پورٹ صاحب نے ۱۸۷۰ء میں سب سے زیادہ ہمدردانہ کتاب ،، اپالوجی فار محمد اینڈ دی قرآن ،، لکھی ہے۔ اس کتاب کو وہ ان الفاظ سے شروع

کرتے ہیں۔

"اس میں کچھ شبہ نہیں کہ تمام متقنن اور فاتحوں میں ایک بھی ایسا نہیں ہے کہ جس کے وقائع عمری محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وقائع عمری سے زیادہ تر مفصل اور سچے ہوں"

ریونڈر پاسورتھ اسمتھ فیلو آف ٹرینٹی کالج اوکسفورڈ نے ۱۸۷۴ء میں "محمد اینڈ محمد ازم" کے نام سے دائل انسٹی ٹیوشن آف گریٹ برٹین میں جو لکچر دیئے تھے اور جو کتاب کی صورت میں چھپے ہیں اس میں ریونڈر موصوف نے نہایت خوبی سے لکھا ہے۔

"جو کچھ عام طور سے مذہب کی دنیا انبداً معلوم ہونے کی نسبت صحیح ہے وہی بد قسمتی سے ان تین مذہبوں اور ان کے بانیوں کی نسبت صحیح ہے جن کو ہم کسی بہتر نام موجود نہ ہونے کے سبب تاریخی کہتے ہیں، ہم مذہب کے اولین اور ابتدائی کارکنوں کی نسبت بہت کم اور ان کی نسبت جنہوں نے ان کی محنتوں میں بعد کو اپنی محنتیں ملائیں شاید زیادہ جانتے ہیں، ہم زرتشت اور کنیفوشش کے متعلق اس سے کم جانتے ہیں جو سولن اور سقراط کے متعلق جانتے ہیں، موسیٰ اور بودھ کے متعلق اس سے کم واقف ہیں جو امبروز اور سیزر کے متعلق جانتے ہیں، ہم درحقیقت مسیح کی زندگی کے ٹکڑے میں سے ٹکڑا جانتے ہیں، ان تیس برسوں کی حقیقت سے کون پردہ اٹھا سکتا ہے جس نے تین سال کے لئے راستہ تیار کیا، جو کچھ جانتے ہیں، اس نے دنیا کی ایک تہائی کو زندہ کیا ہے اور شاید اور بہت زیادہ کرے، ایک آئیڈیل لائف جو بہت دور بھی ہے اور قریب بھی، ممکن بھی ہے اور ناممکن بھی، لیکن کتنا حصہ ہے جو ہم جانتے ہی نہیں، ہم مسیح کی ماں، مسیح کی خانگی زندگی، ان کے ابتدائی احباب، ان کے

سوانح ان کے تعلقات ان کے روحانی مشن کے تدریجی طلوع یا یک بیک ظہور کی نسبت ہم کیا جانتے ہیں؟ ان کی نسبت کتنے سوالات ہم میں سے ہر ایک کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں جو ہمیشہ سوالات ہی رہیں، لیکن اسلام میں ہر چیز ممتاز ہے، یہاں دھندلاپن اور راز نہیں ہے، ہم تاریخ رکھتے ہیں، ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق اس قدر جانتے ہیں جس قدر لیوتھر اور ملٹن کے متعلق جانتے ہیں، میتھالوجی، فرضی افسانے اور مافوق فطرت واقعات ابتدائی عرب مصنفین میں یا اگر ہیں تو وہ آسانی سے تاریخی واقعات سے الگ کئے جاسکتے ہیں، کوئی شخص یہاں نہ خود کو دھوکہ دے سکتا ہے یہاں پورے دن کی روشنی ہے جو ہر چیز پر پڑ رہی ہے، ہر ایک تک پہنچ سکتی ہے (ص ۱۴-۱۵ ۱۸۸۹ء)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے بیان میں مسلمانوں نے ہزاروں لاکھوں کتابیں لکھیں اور لکھ رہے ہیں، اور انمیں سے ہر ایک کتاب دوسرے انبیاء کی سیرت کے مقابلہ میں زیادہ صاف، زیادہ معتبر اور تاریخی ہے، سیرت و اخبار نبوی کی ابتدائی کتابیں ہر مصنف سے، سیکڑوں اور ہزاروں اشخاص نے سن کر اور پڑھ کر اور اس کا ایک ایک حرف سمجھ کر دوسروں تک پہنچایا، حدیث کی پہلی کتاب موطا کو اس کے مصنف امام مالک سے ۱۰۰۰ آدمیوں نے سنا جن میں سلاطین زمانہ علماء فقہاء حکماء ادباء اور صوفیہ ہر طبقہ کے آدمی ہیں، امام بخاریؒ کی تصنیف جامع صحیح کو صرف ان کے ایک شاگرد فربری سے ساٹھ ہزار آدمیوں نے سنا، اس احتیاط اس استناد اور اس اہتمام سے بتاؤ کس شارع یا بانی دین کی سیرت و اخبار کا مجموعہ مرتب ہوا، اور یہ شان تاریخیت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کس کے حصے میں آئی؟

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیْہِ وَ سَلِّمْ

۴۔ کاملیت

دوستو آج کی گفتگو کا موضوع کاملیت ہے کوئی زندگی خواہ کسی قدر تاریخی ہو جب تک وہ کامل نہ ہو ہمارے لئے نمونہ بن سکتی ہے، کسی زندگی کا کامل ہونا ہر نقص سے بری ہونا اس وقت تک ثابت نہیں ہو سکتا جبتک اس زندگی کے تمام اجزا ہمارے سامنے نہ ہوں پیغمبر اسلام کی زندگی کا ہر لمحہ پیدائش سے لے کر وفات تک ان کے زمانہ کے لوگوں کے سامنے اور انکی وفات کے بعد تاریخ عالم کے سامنے ہے، انکی زندگی کا کوئی مختصر زمانہ بھی ایسا نہیں گذرا جب وہ اپنے اہل وطن کی آنکھوں سے اوجھل ہو کر آئندہ کی تیاری میں مصروف ہوں، غرض پیدائش، شیر خوارگی بچپن، ہوش و تمیز، جوانی، تجارت، آمد و رفت شادی، احباب، قبل نبوت قریش کی لڑائی اور قریش کے معاہدے میں شرکت، امین بننا خانہ کعبہ میں پتھر نصب کرنا، رفتہ رفتہ تنہائی پسندی، غار حرا کی گوشہ نشینی، وحی، اسلام کا ظہور، دعوت، تبلیغ، مخالفت، سفر طائف، معراج، ہجرت، غزوات، حدیبیہ کی صلح، دعوت اسلام کے نامہ و پیام، اسلام کی اشاعت، تکمیل دین، حجۃ الوداع، وفات، انمیں سے کونسا زمانہ ہے جو دنیا کی نگاہوں کے سامنے نہیں اور آپکی کون سی حالت ہے جس سے اہل تاریخ ناواقف ہیں، سچ جھوٹ، صحیح غلط ہر چیز الگ موجود ہے اور انکو ہر شخص جان سکتا ہے کبھی کبھی خود خیال ہوتا ہے کہ محدثین نے موضوع اور ضعیف روایتوں تک کو کیوں محفوظ رکھا ہے لیکن اس میں مصلحت الہی یہ تھی کہ معترضوں کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ ان لوگوں نے اپنے پیغمبر کی کمزوریوں کو چھپانے کیلئے بہت سی روایتوں کو غائب کر دیا جیساکہ آج عیسائی لٹریچر پر اعتراض کیا جاتا ہے، اس لئے ہمارے محدثین کرام نے اپنے

پیغمبرؐ کے متعلق صحیح و غلط سارا مواد سب کے سامنے لاکر رکھ دیا ہے اور ان دونوں کے درمیان تفرقے بنا دیئے ہیں اور اصول مقرر کر دیئے ہیں۔

اٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا، شادی بیاہ، بال بچے، دوست احباب، نماز روزہ دن رات کی عبادت، صلح و جنگ، آمد و رفت، سفر و حضر، نہانا دھونا، کھانا پینا، ہنسنا رونا، پہننا اوڑھنا، چلنا پھرنا، ہنسی مذاق، بولنا چالنا، خلوت جلوت، ملنا جلنا، طور طریقہ، رنگ و بو، خد و خال، قد و قامت یہاں تک کہ میاں بیوی کے خانگی تعلقات اور ہم خوابی و طہارت ہر چیز پوری روشنی میں مذکور، معلوم اور محفوظ ہے۔ میں یہاں پر آپکو شمائل نبویؐ کی صرف ایک قدیم ترین کتاب شمائل ترمذی کے ابواب پڑھ کر سناتا ہوں جس سے آپکو اندازہ ہوگا

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ اور صورت و شکل کے بیان میں
۲۔ آنحضرتؐ کے بالوں کے بیان میں
۳۔ " کنگھی " "
۴۔ " پکے ہوئے بالوں " "
۵۔ " خضاب " "
۶۔ " سرمہ " "
۷۔ " لباس " "
۸۔ " زندگی بسر کرنے " "
۹۔ " موزوں " "
۱۰۔ " پاپوش " "
۱۱۔ آنحضرتؐ کی خاتم انگوٹھی کے بیان میں
۱۲ " تلوار " "
۱۳ " زرہ " "
۱۴ " خود " "
۱۵ " عمامہ " "
۱۶ " پائجامہ " "
۱۷ " رفتار " "
۱۸ " منہ پر کپڑا ڈالنے " "
۱۹ " نشست " "
۲۰ " تکیہ و بستر " "
۲۱ " کھانے " "

آپ کے تمام ذاتی حالات ہیں، ان میں سے، ایک عنوان کے متعلق کہیں متعدد کہیں بکثرت واقعات ہیں اور ان میں سے ہر پہلو صاف اور روشن ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا کوئی لمحہ پردہ میں نہ تھا اندر آپ بیوی اور بال بچوں کے مجمع میں ہوتے

تھے، باہر معتقدوں اور دوستوں کی محفل میں۔

دوستو! بڑے سے بڑا آدمی بھی اپنے گھر میں معمولی آدمی ہوتا ہے، اسی لئے والیٹر کے مشہور فقرہ کے مطابق کوئی شخص اپنے گھر کا ہیرو نہیں ہو سکتا۔

باسورتھ اسمتھ کی رائے میں کم از کم یہ اصول پیغمبر اسلام کے متعلق صحیح نہیں ہے گبن نے لکھا ہے کہ تمام پیغمبروں میں سے کسی نے اپنے پیروؤں کا اس قدر امتحان نہیں لیا جس قدر (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے " انہوں نے دفعتاً اپنے کو سب سے پہلے ان لوگوں کے سامنے بحیثیت انسان پیش کیا جو بہت اچھی طرح جانتے تھے، اپنی بیوی، اپنے غلام اپنے بھائی، اپنے سب سے واقفکار دوست کے سامنے اور ان سب نے بلا پس و پیش آپ کے دعویٰ کی صداقت کو تسلیم کر لیا، بیوی سے بڑھ کر انسان کی اندرونی کمزوریوں سے واقفکار کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا، مگر کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ سب سے پہلے وہی آپ پر ایمان لائیں، وہ نبوت سے پہلے پندرہ برس تک آپ کی رفاقت رہ چکی تھیں اور آپ کے ہر حال اور ہر کیف کی نسبت ذاتی واقفیت رکھتی تھیں، بڑے سے بڑا انسان جو ایک بیوی کا شوہر ہو وہ بھی ہمت نہیں کر سکتا کہ وہ اس کو یہ اذن عام دیدے کہ تم میری ہر حالت اور ہر خلق اور ہر واقعہ کو برملا کہدو، اور جو کچھ چھپا ہے وہ سب ظاہر کردو مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیک وقت نو بیویاں تھیں، اور ان میں سے ہر ایک کو یہ اذن عام تھا کہ خلوت میں مجھ میں جو کچھ دیکھو وہ جلوت میں سب سے برملا بیان کردو اس اخلاق، وثوق اور ذاتی اعتماد کی مثال کہیں اور مل سکتی ہے۔

یہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی احوال کے متعلق تھا، آپ کے اخلاق طاہرہ اوصاف عالیہ اور آداب فاضلہ کے بیان و تفصیل سے احادیث کی تمام کتابیں معمور ہیں، خصوصیت

کے ساتھ قاضی عیاض اندلسی کی کتاب شفا اس پہلو سے بہترین کتاب ہے ایک یوروپین مستشرق نے فرانس میں مجھ سے کہا تھا کہ پیغمبر اسلام کے اصلی محاسن سے واقف کرنے کے لئے یہ کافی ہے کہ قاضی عیاض کی شفا کا کسی یوروپین زبان میں ترجمہ کر دیا جائے سیرت نبوی کی دوسری جلد میں ہم نے شمائل کے تحت میں یہ ابواب قائم کئے ہیں۔

حلیہ اقدس، مہر نبوت، موئے مبارک، رفتار گفتگو، خندہ تبسم، لباس، انگوٹھی، خود وزرہ، غذا اور طریقہ طعام، معمولات طعام، خوش لباسی، مرغوب رنگ نامرغوب رنگ، خوشبو کا استعمال، لطافت پسندی، سواری کا شوق۔

معمولات کے تحت حسب ذیل عنوانات ہیں۔

صبح سے شام تک معمولات، خواب، عبادت شبانہ، معمولات نماز، معمولات خطبہ معمولات سفر، معمولات جہاد، معمولات عیادت وعزا، معمولات ملاقات، عام معاملات

مجلس نبوی کے ماتحت عنوانات۔

دربار نبوت، مجالس ارشاد، آداب مجلس، اوقات مجلس، عورتوں کے لئے مخصوص مجالس، طریقۂ ارشاد، مجالس میں شگفتگی فیض صحبت، طرز بیان، خطبات کی نوعیت، خطبات نبوی کی تاثیر۔

عبادات کے تحت عنوانات۔

دعا اور نماز، روزہ، زکوٰۃ، صدقہ، حج، ہمیشہ یاد الٰہی، خدا کا ذوق وشوق، میدان جنگ میں یاد الٰہی، خشیۃ الٰہی، گریہ وبکاء، محبت الٰہی خدا پر توکل، صبر وشکر۔

اخلاق نبوی کی تفصیل جزئیات۔

اخلاق نبوی کا جامع بیان، استقامت عمل، حسن معاملہ عدل وانصاف جود وسخا، ایثار، مہمان نوازی، گداگری سے نفرت، صدقہ سے پرہیز تحفے قبول کرنا، کسی کا احسان نہ قبول کرنا، عدم تشدد، تقشف ناپسند تھا، عیب جوئی اور مداحی کی ناپسندیدگی، سادگی اور بے تکلفی، امارت پسندی اور دکھاوے سے پرہیز، مساوات تواضع بیجا تعظیم اور مدح کی ناپسندیدگی، شرم وحیا اپنے ہاتھ سے کام کرنا، عزم و استقلال شجاعت، راست گفتاری، ایفائے عہد، زہد وقناعت، عفو وحلم، دشمنوں سے عفو ودرگذر اور حسن سلوک کفار اور مشرکین کے ساتھ برتاؤ، یہود ونصاریٰ کے ساتھ برتاؤ، غریبوں کے ساتھ محبت وشفقت، دشمنان جاں سے عفو ودرگزر دشمنوں کے حق میں دعائے خیر بچوں، بچوں پر شفقت، مستورات کے ساتھ برتاؤ، حیوانات پر رحم، رحمت ومحبت عام، رقیق القلبی، عیادت وتعزیت، لطف طبع، اولاد سے محبت، ازدواج مطہرات کے ساتھ سلوک۔

حافظ ابن قیم نے زاد المعاد میں سب سے زیادہ آپ کے حالات کا استقصاء کیا ہے، چنانچہ صرف ذاتی حالات کا فہرست سنیئے۔

آپ کا طریقہ رسل ورسائل، آپ کے کھانے پینے کا طریقہ، آپ کے نکاح اور ازدواجی تعلقات کا طریقہ، خواب وبیداری کا طریقہ، سواری کا طریقہ، لونڈی اور غلام کو اپنی خدمت کیلئے قبول فرمانے کا طریقہ، آپکے معاملات اور خرید وفروخت کا طریقہ، حوائج ضروری کے آداب اصلاح اور خط بنوانے کا طریقہ، مونچھوں کے رکھنے اور ترشنے میں آپ کا طریقہ آپ کا طرز کلام، آپ کی خاموشی، آپ کا خندہ فرمانا، آپ کا رونا، آپ کا طریقہ خطابت، طریقہ وضو، موزوں پر مسح

کو نیکا طریقہ، تیمم کرنیکا طریقہ، آپ کے نماز ادا کرنے کا طریقہ آپ کا دو سجدوں کے درمیان بیٹھنے کا طریقہ، آپ کے سجدہ کرنے کا طریقہ، قعدہ اخیرہ ہے آپ کی نشست کی کیفیت، آپ کے نماز میں بیٹھنے اور تشہد کے وقت انگلی اٹھانیکا طریقہ، آپ کا نماز میں سلام پھیرنیکا طریقہ، نماز میں سترہ کھڑا کرنیکا طریقہ، سفر و حضر، مسجد اور گھر میں آپ کے سنن ونوافل پڑھنے کا طریقہ، رات کی نماز اور وتر پڑھنے کا طریقہ، آپ کا وتر کے بعد بیٹھ کر نماز پڑھنے کا طریقہ آپکے قرآن پاک پڑھنے کی کیفیت، آپ کی چاشت کی نماز کا طریقہ، آپ کے سجدۂ شکر بجالانیکا طریقہ، آپکے جمعہ کے معمولات، آپ کے جمعہ کے دن کی عبادات کا طریقہ، آپ کے خطبہ دینے کا طریقہ، صلوٰۃ عیدین میں آپ کا طریقہ، سورج گرہن کے وقت آپ کے نماز پڑھنے کا طریقہ، استسقاء میں آپ کا طریقہ، آپ کے سفر کا طریقہ، سفر میں آپ کے نفل پڑھنے کا طریقہ، آپ کے دو نمازوں کو اکٹھی پڑھنے کا طریقہ، آپ کے قرآن پڑھنے اور سننے کا طریقہ، بیماروں کی عیادت میں آپ کا طریقہ آپ کا میت پر کپڑا ڈالنے کا طریقہ، کسی میت کے آنے پر اس کے متعلق آپ کے سوال کرنے کا طریقہ جنازہ کی نماز میں آپ کا طریقہ، چھوٹے بچوں پر نماز جنازہ پڑھنے میں آپ کا معمول، خودکشی کرنے والے اور جہاد کے مال غنیمت میں خیانت کرنیوالے پر آپ کا نماز جنازہ نہ پڑھنا، جنازہ کے آگے آپ کے چلنے کا طریقہ، جنازہ کیلئے آپ کے کھڑے ہونے کا طریقہ، روزہ میں آپ کا طریقہ، آپ کا رمضان میں زیادہ عبادت کرنے کا طریقہ، چاند دیکھنے کے ساتھ ہی روزہ افطار کے متعلق آپ کا طریقہ، چاند دیکھنے کی گواہی قبول کرنے میں آپ کا طریقہ سفر میں روزہ کے افطار کے متعلق آپ کا طریقہ، عرفہ کے دن عرفہ کی وجہ سے افطار فرمانے اور جمعہ شنبہ، یکشنبہ میں آپ کے روزہ رکھنے کا طریقہ، آپ کے پے در پے روزہ رکھنے کا طریقہ، آپ کے نفل روزہ رکھنے اور اس کے ٹوٹ جانے پر ادا کرنے کو واجب نہ سمجھنے کا طریقہ

روز جمعہ کو روزہ کے لئے مخصوص کر لینے پر آپ کا کراہیت فرمانا، آپ کے اعتکاف کا طریقہ، حج وعمرہ میں آپ کا طریقہ، آپ کا ایک سال میں دو عمرہ ادا کرنے کا طریقہ، آپ کے حجوں کی کیفیت، آپ کا حج میں اپنے دست مبارک سے قربانی فرمانے کا طریقہ آپ کا حج میں سر منڈوانے کا طریقہ، ایام حج میں آپ کے خطبوں کا طریقہ، عید الاضحیٰ میں آپ کے قربانی کرنے کا طریقہ، عقیقہ میں آپ کا طریقہ، نومولود بچہ کے کان میں آپ کے اذان دینے اور اس کا نام رکھنے اور اس کا ختنہ کرنے میں آپ کی عادات ناموں اور کنیتوں کے رکھنے میں آپ کا طریقہ، بولنے میں احتیاط اور الفاظ کے انتخاب میں آپ کا طریقہ، اذکار ووظائف میں آپ کا طریقہ، گھر میں داخلہ کے وقت آپ کا طریقہ، بیت الخلا جانے اور وہاں سے واپس آنے کا طریقہ، آپ کے کپڑا پہننے کا طریقہ، وضو کی دعاء کے متعلق آپ کا طریقہ، اذان کے دہرانے کے متعلق آپ کا طریقہ، رویت ہلال کے وقت آپ کے دعا فرمانے کا طریقہ، کھانے کے پہلے اور اس کے بعد آپ کے دعاؤں کے پڑھنے کا طریقہ، آداب طعام میں آپ کا طریقہ، آداب سلام میں آپ کا طریقہ آپکا دوسروں کے گھروں میں اجازت مانگ کر داخل ہونے کا طریقہ، اداب سفر میں آپ کے طریقے اور سفر میں دعائیں کے پڑھنے کا طریقہ، نکاح کی دعاؤں کے متعلق آپ کا طریقہ، بعض الفاظ کے استعمال کو مکروہ سمجھنے میں آپ کی عادت غزوات اور جہاد میں آپ کا طریقہ، قیدیوں کے متعلق آپ کا معمول، قیدی جاسوس اور غلام کے متعلق آپ کا معمول، صلح کرنے، امان دینے، جزیہ مقرر کرنے اور اہل کتاب ومنافقین کے ساتھ معاملات کرنے میں آپ کا طریقہ، کفار ومنافقین کے ساتھ علی الترتیب آپ کے برتاؤ کرنے کا طریقہ، آپ کا امراض قلب اور امراض بدن کے علاج کرنے کا طریقہ،

میں نے آپ کے سامنے جزئی جزئی باتوں کی اجمالی فہرست پیش کی ہے، اس سے آپ یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جب ان چھوٹی چھوٹی باتوں کو محفوظ رکھا ہے تو بڑی بڑی اور اہم باتوں کی کیا کچھ تفصیل موجود نہ ہوگی، غرض ایک انسان کی زندگی کے جس قدر پہلو ہو سکتے ہیں وہ سب محفوظ و مذکور ہیں۔

حضرات! اب آپ نے سمجھا ہوگا کہ کاملیت سے میرا کیا مقصود تھا، اور میرے اس دعویٰ کی ذکر اس معیار پر سیرت محمدیؐ کے سوا انبیاء علیہم السلام میں کسی کی سیرت محفوظ نہیں، صداقت آشکارا ہو گئی ہوگی۔

وقت کم ہے اور مضمون کی وسعت ابھی باقی ہے، تاہم یہ مختصر سن لیجئے کہ آپ خواہ خلوت میں ہوں یا جلوت میں، مسجد ہوں یا میدان میں جہاد میں نماز شبانہ میں مصروف ہوں یا فوجوں کی درستی میں، وعظ فرما رہے ہوں یا آرام میں ہوں ہر وقت اور ہر شخص کو حکم تھا کہ جو کچھ میری حالت اور کیفیت ہو وہ سب منظر عام پر لائی جائے، ازواج مطہرات آپ کے خلوت خانوں کے حالات سنانے اور بتانے میں مصروف رہیں، مسجد نبوی میں ایک چبوترہ ان عقیدت مندوں کیلئے تھا جنکے رہنے کو گھر نہ تھے، وہ باری باری سے دن کو جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتے اور اس سے روزی حاصل کرتے اور سارا وقت آپ کے ملفوظات کے سننے، آپ کے حالات کے دیکھنے اور آپ کی معیت میں گذارنے کے لئے صرف کرتے تھے، ان کی تعداد ستر کے قریب تھی، انہیں میں حضرت ابوہریرہ ہیں جن سے زیادہ کسی صحابی کی روایت نہیں، یہ ستر ہستیاں معتقد جاسوس کی طرح شب و روز ذوق و شوق کے ساتھ آپکے حالات کی نگرانی اور دیکھ بھال اور لوگوں سے ان کو بیان کرنے میں مصروف رہتی تھیں، دن میں پانچ وقت مدینہ میں رہنے

دالی تمام آبادی برس تک مفصل آپ کی ایک ایک حرکت و سکون اور ایک ایک جنبش کو دیکھتی رہی، غزوات اور لڑائیوں کے موقع پر ہزار ہا صحابہ کو شب و روز آپکے دیکھنے اور آپکے حالات مبارکہ کے مشاہدہ ملتا تھا، غزوہ فتح میں ۱۰ ہزار تبوک میں تیس ہزار اور حجتہ الوداع میں تقریبًا ایک لاکھ صحابہؓ کو آپکے دیکھنے سننے کے مواقع ملتے رہے، اور خلوت اور جلوت گھر اور باہر صفر اور مسجد، حلقۂ تعلیم اور میدان جنگ تک میں جس نے جس حال میں آپ کو دیکھا اس کی عام اشاعت کی نہ صرف اس کو اجازت بلکہ حکم اور تاکید تھی، اب آپ سمجھ سکتے ہیں کہ آپ کی زندگی کا کونسا پہلو ہوگا جو زیر پردہ رہا ہوگا۔

اور اس پر بھی ایک شخص بھی آپ پر خردہ گیری نہ کر سکا۔ آج بھی آپکے دشمن اور مخالف پوری دیکھ بھال، چھان بین، تلاش و جستجو کے بعد مسئلہ جہاد اور تعداد ازدواج کے سوا آپ پر کوئی حرف گیری نہ کر سکے تو ایسی زندگی کو معصوم اور بے گناہ کہنا زیبا ہے یا ان زندگیوں کو جن کا بڑا حصہ ہماری نگاہوں سے اوجھل اور پوشیدہ ہے، ایک حیثیت سے اور غور فرمایئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ صرف اپنے معتقدوں ہی کے حلقہ میں نہیں رہے، بلکہ مکہ میں قریش کے مجمع میں رہے، نبوت سے پہلے ۴۰ برس آپکی زندگی ان کے ساتھ گذری، اور پھر تاجرانہ زندگی، لین دین کی زندگی اور معاملہ اور کاروبار کی زندگی جس میں قدم قدم پر بد معاملگی یا بد نیتی، خلاف وعدگی اور خیانت کاری کے عمیق غار آتے ہیں، مگر آپ اس طرح بے خطر اس راستہ سے گذر گئے کہ آپ کو ان سے امین کا خطاب حاصل ہوا، نبوت کے بعد بھی لوگوں کو آپ پر اعتماد تھا کہ اپنی امانتیں آپ ہی کے پاس رکھواتے تھے، چنانچہ ہجرت کے موقع پر حضرت علیؓ کو اسی لئے مکہ میں چھوڑا، تاکہ آپ کے بعد وہ لوگوں کی امانتیں واپس کر سکیں، آپ

کے دعویٰ نبوت پر تمام قریش نے برہمی ظاہر کی، مقاطعہ کیا، دشمنیاں ظاہر کیں، گالیاں دیں، راستے روکے، نجاستیں ڈالیں، پتھر پھینکے، قتل کی سازشیں کیں، آپ کو ساحر کہا، شاعر کہا، مجنوں کہا، مگر کسی نے یہ جرأت نہ کی کہ آپ کے اخلاق اور اعمال کے متعلق حرف گیری کر سکے، حالانکہ نبوت اور پیغمبری کے دعویٰ ہی کے یہ معنیٰ ہیں کہ مدعی اپنی بے گناہی اور معصومیت کا دعویٰ کر رہا ہے، اس دعویٰ کے ابطال کیلئے آپ کے اخلاق و اعمال کے متعلق چند مخالفانہ شہادتیں بھی کافی تھیں تاہم اس دعویٰ کے توڑنے کیلئے انہوں نے اپنی دولت لٹائی، اپنی اولاد کو قربان کیا اپنی جانیں دیں لیکن یہ ممکن نہ ہوا کہ وہ آپ کی ذات پر معمولی خردہ گیری کر کے بھی اس کو باطل کر سکیں، کیا اس سے نہیں ثابت ہوتا کہ جو آپ دوستوں کی نظر میں تھے، وہی دشمنوں کی نگاہ میں بھی تھے اور کوئی چیز زیر پردہ اور نامعلوم نہ تھی۔

ایک روز قریش کے بڑے بڑے رؤسا جلسہ جمائے بیٹھے تھے اور آپکا ذکر ہو رہا تھا، نضر بن حارث نے جو قریش میں سب سے زیادہ جہاندیدہ تھا کہا، اے قریش تم پر جو مصیبت آئی ہے تم اس کی کوئی تدبیر نہ نکال سکے۔ محمدؐ تمہارے سامنے بچہ سے جوان ہوا، وہ تم میں سب سے زیادہ پسندیدہ، سچا اور امانتدار تھا اور اب اس کے بالوں میں سفیدی آچلی اور تمہارے سامنے یہ باتیں پیش کیں تو کہتے ہو کہ وہ ساحر ہے، کاہن ہے، شاعر ہے، مجنوں ہے، خدا کی قسم میں نے اس کی باتیں سنی ہیں، محمدؐ میں یہ کوئی بات نہیں (ابن ہشام)

آپ کا سب سے دشمن ابوجہل کہا کرتا تھا، محمدؐ میں تم کو جھوٹا نہیں کہتا البتہ تم جو کچھ کہتے اور سمجھاتے ہو اس کو صحیح نہیں سمجھتا، چنانچہ قرآن مجید کی یہ آیت اسی

موقع پر نازل ہوئی ہے (ترمذی تفسیر انعام) قد نعلم انہ لیحزنک الذی یقولون فانہم لا یکذبونک ولکن الظلمین بآیات اللہ یجحدون (انعام ع ۴) ترجمہ اے پیغمبر ہم جانتے ہیں کہ ان کافروں کی باتیں تمکو غمگین کرتی ہیں، کیونکہ وہ تم کو نہیں جھٹلاتے بلکہ یہ ظالم اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ کا الہٰی سے حکم ہوا کہ اپنے خاندان کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دو۔ آپنے ایک پہاڑ پر چڑھکر پکارا یا معشر قریش! جب سب لوگ جمع ہو گئے تو فرمایا، اگر میں تم سے کہوں کہ پہاڑ کے پیچھے سے ایک لشکر آرہا ہے تو تم کو یقین آئے گا، سب نے کہا ہاں، کیونکہ ہم نے تم کو کبھی جھوٹ بولتے نہیں دیکھا (بخاری) قیصر روم کے دربار میں قاصد نبوی پہنچا ہے، کفار قریش میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے حریف اور مقابل ابو سفیان جو چھ برس متواتر آپکے مقابلہ میں فوجوں کے پرے جماتے رہے، وہ آنحضرت صلعم کی تصدیق حال اور تفتیش کیلئے جاتے ہیں، موقع کی نزاکت پر غور کرو، ایک دشمن کی شہادت اپنے ایک ایسے دشمن کے حق میں ہے جس کو وہ دل سے مٹانا چاہتا ہے، ایک ایسے باسرو سامان بادشاہ کے دربار میں اس کی شہادت ہے، اگر اس کو راضی کر لیا جائے تو دم کے دم اس کی فوجیں مدینہ کی سمت بڑھ سکتی تھیں، تاہم اس سوال و جواب کو سنئے۔

قیصر :- مدعی نبوت کا خاندان کیسا ہے؟

ابوسفیان :- شریف ہے۔

قیصر :- اس خاندان میں کسی اور نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا؟

ابوسفیان :- نہیں۔

قیصر :- اس خاندان میں کوئی بادشاہ گذرا ہے؟

ابوسفیان:۔ نہیں

قیصر:۔ جن لوگوں نے اس کے مذہب کو قبول کیا ہے وہ کمزور ہیں یا صاحب اثر؟

ابوسفیان:۔ کمزور لوگ ہیں

قیصر:۔ اس کے پیرو بڑھ رہے ہیں یا گھٹتے جاتے ہیں؟

ابوسفیان:۔ بڑھتے جاتے ہیں۔

قیصر:۔ کبھی تم لوگوں کو اس کی نسبت جھوٹ کا بھی تجربہ ہے؟

ابوسفیان:۔ نہیں

قیصر:۔ وہ کبھی اپنے عہد و اقرار سے بھی پھرا ہے؟

ابوسفیان:۔ ابھی تک تو نہیں مگر آئندہ دیکھیں۔

قیصر:۔ وہ کیا سکھاتا ہے؟

ابوسفیان:۔ کہتا ہے کہ خدا کی عبادت کرو، نماز پڑھو، پاکدامنی اختیار کرو، سچ بولو، اہل قرابت کا حق ادا کرو۔

کیا اس سے نازک موقع کی شہادت سوائے سیرت محمدیؐ کے اور کہیں دستیاب ہو سکتی ہے، اس سے زیادہ آپ کی کاملیت کی کیا دلیل ہو سکتی ہے؟

ایک نکتہ کی طرف آپ کی توجہ اور ملتفت کرنا ہے، آنحضرت صلعم پر جو لوگ ابتداً ایمان لائے اور دریا کے کنارے کے ماہی گیر نہ تھے، وہ مصر کی محکوم اور غلام قوم کے افراد نہ تھے، بلکہ ایک ایسی آزاد قوم کے افراد تھے جو اپنی عقل و دانش کے لحاظ سے ممتاز تھی اور جس نے ابتدائے آفرینش سے آج تک کبھی کسی کی اطاعت نہیں کی تھی وہ لوگ تھے جن کے تجارتی کاروبار ایران، شام، مصر اور ایشیائے کوچک تک پھیلے تھے انہیں وہ لوگ تھے

جن کی دقیقہ سنجی، نکتہ رسی اور عقل و ذہانت کے ثبوت، مسائل اور احکام کی صورت میں آج بھی موجود ہیں، ان میں وہ لوگ بھی تھے جنہوں نے بڑی بڑی فوجوں کا فاتحانہ مقابلہ کیا اور دنیا کے مشہور سپہ سالاروں میں داخل ہیں، ان میں وہ لوگ بھی تھے، جنہوں نے ملکوں پر فرماں روائیاں کیں اور حکومت کے نظم کی بہترین قابلیت کا اظہار کیا، کیا ایک لمحہ کیلئے بھی کوئی یہ تصور کر سکتا ہے کہ ایسے پر زور قوی بازو اور دانان روزگار سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی حال چھپا رہ سکتا تھا، اور وہ دھوکا کھا سکتے تھے، بلکہ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے آپ کی ایک ایک جنبش کی نقل کی ہے اور جو آپ کے نقش و قدم پر چلنا اپنی سعادت سمجھتے تھے، یہ آپ کی کاملیت کی ناقابل تردید دلیل ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حالات و واقعات پر کبھی کوئی پردہ ڈالنے کی کوشش نہیں کی، آپ جس طرح تھے اسی طرح سب کو معلوم تھے اور اسی طرح اب تک ہیں، حضرت عائشہ رض آپ کی زوجہ محترمہ جو نو برس آپ کے ساتھ رہیں فرماتی ہیں۔

جو تم سے بیان کرے کہ محمدؐ نے خدا کے احکام میں سے کچھ چھپایا اور مخلوق پر ظاہر نہیں کیا تو اس کو سچ نہ جانیو کہ خدا فرماتا ہے (صحیح بخاری تفسیر آیت ذیل)

یَا اَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ	اے پیغمبر خدا کی طرف سے جو کچھ تجھ پر اترا وہ لوگوں تک پہنچا دے اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تو نے اس کی پیغمبری کا حق ادا نہ کیا۔

دنیا میں کوئی شخص نہیں چاہتا کہ اپنی ادنیٰ سے ادنیٰ کمزوری کا بھی بے خطر برملا اعلان کردے خصوصاً وہ جو ایک جماعت کی رہبری اور رہنمائی اور پھر روحانی و اخلاقی ہادی بنا ہو، لیکن قرآن مجید میں متعدد آیتیں ایسی ہیں جن میں آنحضرت صلعم کو ان کی

ظاہری لغزشوں پر تنبیہ کی گئی ہے تاہم ان میں سے ہر آیت آپ نے پڑھ کر سنائی لوگوں نے یاد کی ہر محراب و مسجد میں پڑھی گئی اور اب تک جہاں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نام ہے وہ آیتیں ان کے ماننے والوں کی زبانوں پر ہیں، حالانکہ اگر ان معمولی فروگذاشتوں کا قرآن پاک میں ذکر نہ ہوتا تو آج دنیا کو ان کا علم بھی نہ ہوتا، مگر ایک پاک زندگی کی ہر چیز روشن ہوتی ہے، اور وہ کی گئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنا جہلائے عرب کے نزدیک اعتراض تھا، اس واقعہ کا ذکر قرآن مجید میں بتصریح مذکور ہے حضرت عائشہ صدیقہ رض فرماتی ہیں کہ اگر حضور صلعم خدا کی کسی وحی کو چھپا سکتے تو اس آیت کو ضرور چھپا دیتے (جس میں اس نکاح کا تذکرہ ہے) مسند ابن حنبل جلد ۶ ص ۲۳۳) تاکہ جاہلوں کو اعتراض کا موقع نہ ملے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کیا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا کوئی پہلو تاریک نہیں ہے۔

باسورا سمتھ صاحب کی یہ شہادت پیش کرنے کے لائق ہے۔

"یہاں پورے دن کی روشنی ہے جو ہر چیز پر پڑ رہی ہے اور ہر ایک تک وہ پہنچ سکتی ہے شخصیت کی تاریک گہرائیوں در حقیقت ہیں اور پہنچ کے خط سے باہر وہ رہیں گی، لیکن ہم محمدؐ کی بیرونی تاریخ کی ہر چیز جانتے ہیں، ان کی جولانی، ان کا ظہور، ان کے تعلقات ان کے عادات ان کا پہلا تخیل اور زندگی ترقی ان کی عظیم الشان وحی کا نوبت بہ نوبت آنا اور ان کی اندرونی تاریخ کے لئے اس کے بعد کہ ان کے مشن کا اعلان کیا جا چکا ہم ایک کتاب (قرآن) رکھتے ہیں جو اپنی اصلیت میں اپنے محفوظ طریقے میں اپنے مضامین کے بے ترتیبی میں بالکل یکتا ہے، لیکن اس کی جوہری صداقت میں کوئی شخص کبھی

سنجیدہ شک نہیں کر سکا، اگر کوئی کتاب ہم ایسی رکھتے ہیں جو اپنے زمانہ کے ماسٹر اسپیرٹ کا آئینہ ہو تو یہ کتاب ہے، عموماً تصنع اور بناوٹ سے پاک، غیر مرتب متضاد، تھکا دینے والی، لیکن چند عظیم الشان خیالات سے معمور، ایک دماغ جو اس روحانیت سے لبریز جو اس کے اندر نبد ہے، خدا کے نشہ میں مست و سرشار، لیکن انسانی کمزوریوں کے ساتھ جن سے پاک ہونے کا کبھی انہوں نے دعویٰ نہیں کیا اور محمدؐ کی آخری عظمت ہے کہ انہوں نسیان سے پاک ہونے کا دعویٰ نہیں کیا (ص۲۵) گبن کے الفاظ میں کسی ابتدائی پیغمبر نے کبھی صداقت کا کوئی ایسا امتحان پاس نہیں کیا جیسا کہ محمدؐ نے جبکہ اس نے پہلے پہل اپنے کو بحیثیت پیغمبر کے ان لوگوں کے سامنے پیش کیا جو اس کی کمزوریوں سے بحیثیت ایک انسان ہونے کے واقف تھے وہ لوگ جو اس سے سب سے زیادہ واقف تھے، ان کی بیوی، ان کا حبشی غلام، ان کا چچازاد بھائی ان کا سب سے پرانا دوست جس نے جیسا کہ محمدؐ نے خود کہا ہے کہ اس کے پیروں میں وہی ایک ہے جس نے نہ پشت پھیری اور نہ گھبرایا، یہی لوگ اس کے سب سے پہلے معتقد ہوئے پیغمبروں کی عام قسمت محمدؐ کے حق میں بالکل الٹ گئی، وہ غیر معروف نہ تھا، لیکن ان کے نزدیک جو اس سے واقف نہ تھے (۱۰۸-۱ اسمتھ)

ان شہادتوں کا یہ مطلب ہے کہ جو جس قدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سے واقف تھا اسی قدر زیادہ ان کا عقیدت مند تھا، عام پیغمبروں کا اصول یہ رہا ہے پہلے ان کو ناواقفوں نے مانا ہے تب جا کر گھر والوں کی باری آتی ہے مگر آنحضرت صلعم کا سانحہ حیات اس سے بالکل مختلف ہے، آپ کو سب سے پہلے انہوں نے مانا جو آپ کے اخلاق و عادات سے زیادہ واقف تھے، اور ان میں سے ہر ایک نے اپنے ایمان

واعتقاد کا شدید خطرناک امتحان دیا ہے، حضرت خدیجہ تین برس تک آپ کے ساتھ شعب ابی طالب میں محصور رہیں جہاں بھوک اور فقر و فاقہ سے دوچار ہونا پڑا، حضرت ابوبکر صدیق رضی نے اس وقت جب ہر چہار طرف دشمن تعاقب میں تھے رات کی تاریکی میں آپ کے ساتھ خطرناک رفاقت کا حق ادا کیا، حضرت علی نے اس بستر پر قدم رکھا جو صبح کو مقتل بننے والا تھا، حضرت زید غلام خاص وہ تھے جو بیٹے بننے پر اپنے باپ کے اصرار پر بھی اپنے روحانی باپ سے مفارقت گوارہ نہ کی۔

گارڈ فری ہیگنس اپالوجی فار محمدؐ میں کہتا ہے۔

عیسائی اس کو یاد رکھیں تو اچھا ہو کہ محمد صلعم نے وہ نشہ اپنے پیروؤں میں پیدا کر دیا تھا جس کو حضرت عیسیٰؑ کے ابتدائی پیروؤں میں تلاش کرنا بے سود ہے جب عیسیٰ کو سولی پر لے گئے تو ان کے پیرو بھاگ گئے ان کا نشہ دینی جاتا رہا اور اپنے مقتدار کو موت کے پنجہ میں گرفتار چھوڑ کر چلے گئے۔ برعکس اس کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو اپنے مظلوم پیغمبر کے گرد آئے اور آپ کے بچاؤ میں اپنی جانیں خطرہ میں ڈال کر کل دشمنوں پر آپکو غالب کر دیا (ترجمہ اردو ص ۶۶-۶۷ مطبوعہ بریلی ۱۸۷۳ء)

احد کے مشہور معرکہ میں جب قریش کے تیغ زنوں نے آپ پر یورش کی اور مسلمانوں کی صفیں درہم ہوئیں تو آپ نے آواز دی کون مجھ پر جان دیتا ہے؟ اس آواز کو سن کر دفعۃً سات انصاری نکل آئے اور ایک ایک نے جانبازی سے لڑ کر جانیں فدا کر دیں ایک انصاری خاتون کے باپ بھائی اور شوہر تین پیاری جانیں اس معرکہ میں تصدق ہوئیں، باری باری تین سخت حادثوں کی صدائیں اس کے کانوں میں پڑتی ہیں اور وہ ہر بار پوچھتی جاتی ہے کہ وہ جان عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں، لوگوں نے

کہا بخیر ہیں، اس نے پاس آکر چہرہ مبارک کو دیکھا اور بے اختیار لیکار اٹھی مصیبۃ

بعدک جلل یا رسول اللہ (تیرے ہوتے سب مصیبتیں ہیچ ہیں) ؎

اے شہ دیں تیرے ہوتے کیا چیز ہیں ہم — میں بھی اور باپ بھی اور شوہر بھی ہو اور بھی فدا

دوستو! یہ محبت یہ عشق، یہ جاں نثاری ان میں تھی جو آپ کو ہر طرح اور ہر حیثیت

سے جانتے تھے کیا ایسے شخص کے ساتھ جس کی زندگی اس کے ساتھیوں اور رفیقوں

کی نگاہ میں کامل نہ ہو اس لائق ہو سکتی ہے کہ اس پر دہ جانیں قربان کریں، اس سے

زیادہ یہ ہے کہ اسلام نے اپنے پیغمبر کی زندگی کو ان کیلئے نمونہ بنایا اور اس کی پیروی کو خدا

کی محبت کا ذریعہ بنایا۔ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ (آل عمران) اے لوگو!

اگر تم کو خدا کی محبت کا دعویٰ ہے تو میری اتباع کرو تو خدا تم کو پیار کرے گا۔

آپ کی اتباع کو یعنی آپ کی زندگی کی نقل و عکس کو خدا کی محبت کا معیار بنایا

ایک لمحہ کے لئے نشہ دینی سے سرمست ہو کر اپنی جان دینا آسان ہے مگر پوری عمر ہر چیز

میں ہر حالت میں ہر کیف میں آپ کی اتباع کے پل صراط کو اس طرح طے کرنا کہ کسی بات

میں سنت محمدی سے قدم ادھر ادھر نہ ہو سب سے مشکل امتحان ہے، اس اتباع کے امتحان

میں تمام صحابہؓ پورے اترے اور اسی جذبہ نے صحابہؓ، تابعین، تبع تابعین، محدثین، مورخین

اور ارباب سیر کا یہ اہم فرض قرار دیا ہے کہ آپکی ایک ایک بات ایک ایک چیز ایک ایک جنبش

کو معلوم کریں، پچھلوں کو بتائیں تاکہ اپنے اپنے امکان بھر ہر مسلمان اسے برتنے کی کوشش کرے،

اس نکتہ سے ظاہر ہوگا، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اس کے جاننے والوں کی نگاہ

میں پوری کامل تھی، تب ہی تو اس کی نقل کو انہوں نے کمال معیار تعین کیا۔

اسلام کی نگاہ میں آپ کی حیات ایک مسلمان کے لئے کامل نمونہ ہے اسلئے اس

نمونہ کے تمام پہلو سب کے سامنے ہونے چاہئیں اور وہ سب کے سامنے ہیں، اسی سے ثابت ہوگا کہ آپ کی زندگی کے سلسلے کی کوئی کڑی گم نہیں ہے کوئی واقعہ زیر پردہ نہیں ہے جو کچھ ہے وہ تاریخ کے صفحات میں آئینہ ہے اور یہی ایک ذریعہ کسی زندگی کے کامل معصوم اور بے گناہ یقین کرنے کا ہے، نیز ایسی ہی زندگی جس کے ہر پہلو اس طرح روشن ہوں، انسان کے لئے نمونہ کا کام دے سکتی ہے۔

دنیا میں بابل و اسیریا، ہندوستان اور چین، مصر و شام، یونان و روم میں بڑے بڑے تمدن پیدا ہوئے، اخلاق کے بڑے بڑے نظریے قائم کئے گئے، تہذیب و شائستگی کے بڑے بڑے اصول بنائے گئے اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے، ملنے جلنے، پہننے اوڑھنے، رہنے سہنے سونے جاگنے، شادی بیاہ، مرنے جینے، غم و مسرت، دعوت و ملاقات، مصافحہ و سلام غسل و طہارت، عیادت و تعزیت، تبرک و تہنیت، دفن و کفن کے بہت سے رسوم آداب و شرائط اور روایات مرتب ہوئے اور ان سے قوموں کی تہذیب، تمدن، اور معاشرت کے اصول بنائے گئے، یہ اصول صدہا سال میں بنے، پھر بھی بگڑ گئے، صدیوں میں ان کی تعمیر ہوئی تاہم وہ فنا ہو گئے، لیکن اسلام کا یہ نمونہ چند برسوں میں بنا اور تعمیر ہوا اور ۱۳۰۰ سو برس سے کل روئے زمین کی سینکڑوں مختلف اقوام میں یکسانی کے ساتھ قائم ہے کیونکہ اس کا ماخذ ایک ہے، اور وہ محمد رسول اللہ صلعم کی زندگی ہے اس زندگی کے آئینہ میں صحابہؓ نے اپنی زندگیاں سجائیں اور ان کا عکس تابعین نے اتارا اور اس طرح وہ تمام دنیائے اسلام کا عمل اور رسم بن گئی، وہ مقدس زندگی مرکزی نقطہ تھی صحابہؓ نے اس کو خط اور بعد کی نسلوں نے اس کو دائرہ بنا دیا وہ تمدن آج گو کامل نہیں مگر اس کے نقش قدم اب بھی اور اسی پر کل مسلمان چل رہے ہیں، ایک محمد رسول اللہ صلعم کی زندگی تھی۔

جو صحابہؓ کی زندگی بن گئی، اور وہی دنیائے عالم کی زندگی بن گئی تھی، اور کامل تصویر آج بھی ہم میں موجود ہے، افریقہ یا ہندوستان کا کوئی قبیلہ جب عیسائی ہوتا ہے تو اس کو مذہب انجیل سے، لیکن تمدن اور تہذیب اور عملی زندگی کا سبق یورپ کے ساختہ تمدن سے سکھایا جاتا ہے، لیکن وحشی سے وحشی قبیلہ جو مسلمان ہوتا ہے اس کو جہاں سے مذہب ملتا ہے وہیں سے تمدن اور تہذیب اور شائستگی کا سبق ملتا ہے، مسلمان ہونے کے ساتھ پیغمبر اسلام کی پوری زندگی انسانی ضروریات اور حالات کے ساتھ اس کے سامنے آجاتی ہے اور یہ بولتی چلتی جاگتی تصویر ہر مسلمان کی زندگی کی حالت اور ہر کیفیت کا آئینہ بن جاتی ہے۔

ایک یہودی نے ایک صحابی سے طنزاً کہا تھا کہ تمہارا پیغمبر تم کو ہر چیز کی تعلیم دیتا ہے، یہاں تک کہ اس نے استنجا اور آبدست کی بھی تعلیم دی ہے اور آج بھی ہم اس کامل تعلیم کی سیرت کو فخر کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں، گویا سیرت محمدی دنیا کا آئینہ خانہ ہے، جس میں دیکھ کر ہر شخص اپنے جسم و روح ظاہر و باطن قول و عمل زبان و دل ادب و رسوم، طور و طریق کی اصلاح اور درستی کر سکتا ہے اور اسی لئے کوئی مسلمان قوم اپنی شائستگی اور ادب و اخلاق کے لئے اپنے مذہب سے باہر اور اپنے رسولؐ کی سیرت سے الگ کوئی چیز نہیں مانگتی اور نہ اس کی اس کو ضرورت ہے، سیرت محمدیؐ دنیائے اسلام کا عالمگیر آئینہ ہے، اسی کے مقابلہ سے حسن و قبح اور نیکی و بدی کا راز اس پر کھلتا ہے اور چونکہ کوئی انسانی کامل زندگی اس استیعاب اور استقصار کے ساتھ دنیا کے سامنے موجود نہیں اس لئے تمام انسانوں کے لئے یہی ایک کامل نمونہ ہے، اور ایسی کامل اور بے پردہ زندگی انسانوں کے لئے قابل نمونہ ہو سکتی ہے۔

(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

۵۔ جامعیت

اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ ط

حضرات۔ خدا کی محبت اور پیار کا اہل اور مستحق بننے کے لئے ہر مذہب نے ایک ہی تدبیر بتائی ہے اور وہ یہ کہ مذہب کے شارع اور طریقہ کے بانی نے جو عمدہ نصیحتیں کی ہیں، ان پر عمل کیا جائے، لیکن اسلام نے اس سے بہتر تدبیر اختیار کی ہیں، اس نے اپنے پیغمبر کا عملی مجسمہ سب کے سامنے دکھلایا ہے، اور اس عملی مجسمہ کی پیروی اور اتباع خدا کی محبت اور پیار کے مستحق بننے کا ذریعہ بنایا ہے چنانچہ اسلام میں دو چیزیں ہیں، کتاب اور سنت کتاب سے مقصود خدا کے احکام ہیں جو قرآن مجید کے ذریعہ ہم تک پہنچے ہیں اور سنت جس کے لغوی معنیٰ راستہ کے ہیں وہ عمل کا راستہ ہے جس پر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے احکام پر عمل کرتے ہوئے گذرے یعنی آپ کا عملی نمونہ جس کی تشریح احادیث میں بصورت الفاظ ہے الغرض ایک مسلمان کی کامیابی اور تکمیل روحانی کے لئے جو چیز ہے وہ سنت نبوی ہے۔

وہ تمام اشخاص جو کسی مذہب کے حلقۂ اطاعت میں داخل ہوں ناممکن ہے کہ وہ کسی ایک ہی صنف انسانی سے تعلق ہوں اس دنیا کی بنیاد ہی اختلاف عمل پر ہے، باہمی تعاون اور مختلف پیشیوں اور کاموں ہی کے ذریعہ سے دنیا چل رہی ہے اس میں بادشاہ یا رئیس جمہور اور حکام بھی ضروری ہیں اور محکوم اور رعایا بھی امن وامان کے قیام کے لئے قاضیوں اور ججوں کا ہونا بھی ضروری ہے اور فوجوں کے سپہ سالاروں اور افسروں کا بھی، غریب بھی ہوں گے اور دولت مند بھی، رات کے عابد وزاہد بھی اور دن کے سپاہی اور مجاہد بھی، اہل و عیال بھی ہوں گے اور دوست احباب بھی تاجر اور سوداگر بھی ہوں گے، اور امام

اور پیشوا بھی، غرض اس دنیا کا نظم و نسق ان مختلف اصناف کے وجود اور قیام ہی پر موقوف ہے اور ان تمام اصناف کو اپنی اپنی زندگی کے لئے عملی مجسمہ اور نمونہ کی ضرورت ہے اسلام ان تمام انسانوں کو سنت نبوی کی اتباع کی دعوت دیتا ہے اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ وہ مختلف طبقات انسانی کے لئے اپنے پیغمبر کی سیرت میں نمونے اور مثالیں رکھتا ہے جو ان میں سے ہر ایک کے لئے الگ الگ ہدایت کا چراغ بن سکتا ہے اسلام کے صرف اسی نظریہ سے ثابت ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلام کی سیرت میں جامعیت ہے یعنی انسانوں کے ہر طبقہ اور صنف کے لئے اس کی سیرت پاک میں نصیحت پذیری اور عمل کے درس اور سبق موجود ہیں ایک حاکم کے لئے محکوم کی زندگی اور محکوم کے لئے حاکم کی زندگی، ایک دولت مند کے لئے ایک غریب کی زندگی اور ایک غریب کیلئے دولت مند کی زندگی کامل مثال اور نمونہ نہیں بن سکتی، اسی لئے ضرورت ہے کہ عالمگیر اور دائمی پیغمبر کی زندگی ان مختلف مناظر کے رنگ برنگ پھولوں کا گلدستہ ہو۔

اصناف انسانی کے بعد دوسری جامعیت خود ہر انسان کے مختلف لمحوں کے مختلف افعال ہیں، ہم چلتے پھرتے بھی ہیں، اٹھتے بیٹھتے بھی، کھاتے پیتے بھی ہیں، سوتے جاگتے بھی، ہنستے بھی ہیں، روتے بھی، پہنتے بھی ہیں، اتارتے بھی، نہاتے بھی ہیں، دھوتے بھی، سیکھتے بھی سکھاتے بھی، مرتے بھی مارتے بھی، کھاتے بھی ہیں اور کھلاتے بھی، احسان بھی لیتے ہیں اور کرتے بھی، اپنی جان دیتے بھی ہیں اور بچاتے بھی عبادت و دعا بھی کرتے ہیں اور کاروبار بھی، مہمان بھی بنتے ہیں اور میزبان بھی، ہم کو ان تمام امور کے متعلق جو ہمارے مختلف افعال جسمانی سے تعلق رکھتے ہیں عملی نمونوں کی ضرورت ہے جو ہم ہر نئی حالت کو پیش آنے میں ایک نئی ہدایت کا سبق اور نئی رہنمائی کا سبق دیں۔

ان افعال کے بعد جن کا تعلق اعضاء سے ہے وہ افعال ہیں جن کا تعلق دل و دماغ سے ہے اور جن کی تعبیر ہم اعمال قلب یا جذبات اور احساسات سے کرتے ہیں ہر آن ہم ایک نئی قلبی عمل یا جذبہ یا احساس سے متاثر ہوتے ہیں کبھی ہم راضی ہیں کبھی ہم خفا کبھی خوش ہیں کبھی غم زدہ، کبھی مصائب سے دوچار ہوتے ہیں اور کبھی نعمتوں سے مالا مال، کبھی ہم ناکام ہوتے ہیں اور کبھی کامیاب ان سب حالتوں میں ہم مختلف جذبات کے ماتحت ہوتے ہیں اخلاق فاضلہ کا تمام تر انحصار انہیں جذبات اور احساسات کے اعتدال اور باقاعدگی پر ہے۔ ان سب کے لئے ہم کو ایک عملی سیرت کی حاجت ہے جس کے ہاتھ میں ہماری ان اندرونی سرکش اور بے قابو قوتوں کی باگ ہو جو انہیں راستوں پر ہمارے نفس کی غیر معتدل قوتوں کو لے چلے، جن پر مدینہ کا بے نفس انسان گذر چکا ہے۔

عزم و استقلال، شجاعت، صبر، شکر، توکل، رضا بتقدیر، مصیبتوں کی برداشت قربانی، قناعت، استغناء، جود، تواضع، خاکساری، مسکنت، غرض نشیب و فراز بلند و پست ہر ایک اخلاقی پہلو کے لئے جو مختلف انسانوں کو مختلف حالتوں میں ہر انسان کو مختلف صورتوں میں پیش آتے ہیں، ہم کو عملی ہدایت اور مثال کی ضرورت ہے مگر وہ کہاں مل سکتی ہے، صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت موسیٰ کے پاس ہم کو سرگرم شجاعانہ قوتوں کا خزانہ مل سکتا ہے، مگر نرم اخلاق نہیں، حضرت عیسیٰؑ کے یہاں نرم اخلاق کی بہتات ہے مگر سرگرم اور خون میں حرکت پیدا کرنے والی قوتوں کا وجود نہیں، انسان کو اس دنیا میں دونوں قوتوں کی معتدل حیثیت سے ضرورت ہے، اور ان دونوں قوتوں کی جامع اور معتدل مثالیں صرف پیغمبر اسلامؐ کی سوانح میں مل سکتی ہیں۔

عرض ایک ایسی شخصی زندگی جو ہر طائفہ انسانی اور ہر حالت انسانی کی مختلف
زندگیوں اور ہر قسم کے صحیح جذبات اور کامل اخلاق کا مجموعہ ہو صرف محمد رسول اللہ صلعم کی
سیرت ہے اگر تم دولت مند ہو تو مکہ کے تاجر اور بحرین کے خزینہ دار کی پیروی کرو اگر تم غریب
ہو تو شعب ابی طالب کے قیدی اور مدینہ کے مہمان کی کیفیت سنو، اگر تم بادشاہ ہو تو سلطان عرب
کا حال پڑھو، اگر تم رعایا ہو تو قریش کے محکوم کو ایک نظر دیکھو اگر تم فاتح ہو تو بدر و حنین
کے سپہ سالار پر نظر دوڑاؤ، اگر تم نے شکست کھائی ہے تو معرکہ احد سے عبرت حاصل کرو، اگر تم
استاد اور معلم ہو تو صفہ کے درسگاہ کے معلم قدس کو دیکھو، اگر تم شاگرد ہو تو روح امین کے سامنے
بیٹھنے والے کو دیکھو، اگر تم واعظ اور ناصح ہو تو مسجد مدینہ کے منبر پر کھڑے ہونیوالے کی باتیں
سنو، اگر تم تنہائی اور بیکسی کے عالم میں حق کی منادی کا فرض انجام دینا چاہتے ہو تو مکہ کے
بے یار و مددگار نبی کا اسوہ تمہارے سامنے ہے اگر تم حق کی نصرت کے بعد اپنے دشمنوں کو زیر اور
اپنے مخالفوں کو کمزور بنا چکے ہو تو فاتح مکہ کا نظارہ کرو، اگر تم اپنے کاروبار اور دنیاوی
جدوجہد کا نظم و نسق درست کرنا چاہتے ہو تو بنی نضیر، خیبر اور فدک کی زمینوں کے مالک
کے کاروبار اور نظم و نسق کو دیکھو، اگر تم یتیم ہو تو عبد اللہ اور آمنہ کے جگر گوشہ کو نہ بھولو اگر
بچہ ہو تو حلیمہ سعدیہ کے لاڈلے کو دیکھو اگر تم جوان ہو تو مکہ کے ایک چرواہے کی سیرت پڑھو
اگر تم سفری کاروبار میں ہو تو بصریٰ کے کاروان سالار کی مثالیں ڈھونڈو اگر تم عدالت
کے قاضی ہو اور پنچایتوں کے ثالث ہو تو کعبہ میں نور آفتاب سے پہلے داخل ہونیوالے
ثالث کو دیکھو جو حجر اسود کو کعبہ کے ایک کونہ میں کھڑا کر رہا ہے، مدینہ کی کچی مسجد
کے صحن میں بیٹھنے والے منصف کو دیکھو جس کی نظر انصاف میں شاہ و گدا اور امیر
و غریب برابر تھے، اگر تم بیویوں کے شوہر ہو تو خدیجہؓ اور عائشہؓ کے مقدس شوہر کی

حیات پاک کا مطالعہ کرو، اگر تم اولاد والے ہو تو فاطمہؓ کے باپ اور حسنؓ و حسینؓ کے نانا کا حال پوچھو، غرض تم جو کوئی بھی اور کسی حال میں بھی ہو، تمہاری زندگی کیلئے نمونہ، تمہاری سیرت کی درستی و اصلاح کیلئے سامان، تمہارے ظلمت خانے کیلئے ہدایت کا چراغ اور رہنمائی کا نور محمد رسول اللہ صلعم کی جامعیت کبریٰ کے خزانہ میں ہر وقت اور ہمہ دم مل سکتا ہے، اس لئے طبقۂ انسانی کے ہر طالب علم اور نور ایمانی کے ہر متلاشی کے لئے صرف محمد رسول اللہ صلعم کی سیرت ہے اس کے سامنے نوحؑ و ابراہیمؑ، ایوبؑ و یونسؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰ علیہم السلام کی سیرتیں موجود ہیں، گویا تمام دوسرے انبیائے کرام کی سیرتیں صرف ایک ہی جنس کی اشیاء کی دکانیں ہیں، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اخلاق اور اعمال کی دنیا کا سب سے بڑا مارکیٹ ہے، جہاں ہر جنس کے خریدار اور ہر شے کے طلب گار کے لئے بہترین سامان موجود ہے۔

آج سے تیس چالیس برس پہلے ٹینہ کے مشہور واعظ اسلام ماسٹر حسن علی مرحوم "نور الاسلام" نام کا ایک رسالہ نکالتے تھے اس میں انہوں نے اپنے ایک ہندو تعلیم یافتہ دوست کی رائے لکھی ہے کہ اس نے ایک دن ماسٹر صاحب سے کہا کہ آپکے پیغمبر کو دنیا کا سب سے بڑا کامل انسان تسلیم کرتا ہوں، انہوں نے پوچھا ہمارے پیغمبر کے مقابلہ میں تم حضرت عیسیٰؑ کو کیا سمجھتے ہو، اس نے جواب دیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مقابلہ میں عیسیٰؑ ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے کسی دانائے روزگار کے سامنے ایک بھولا بھالا بچہ بیٹھا میٹھی میٹھی باتیں کر رہا ہو، انہوں نے دریافت کیا کہ تم کیوں پیغمبر اسلام کو دنیا کا کامل ترین انسان جانتے ہو اس نے جواب دیا کہ مجھ کو انکی زندگی میں بیک وقت اسقدر متضاد اور متنوع اوصاف نظر آتے ہیں جو کسی ایک انسان میں تاریخ نے کبھی یکجا کر کے نہیں

دکھائے، وہ بادشاہ ایسا ہو کہ پورا ملک اس کی مٹھی میں ہو اور بے بس ایسا ہو کہ وہ خود اپنے کو بھی اپنے قبضہ میں نہ جانتا ہو بلکہ خدا کے قبضے میں ہو، دولت مند ایسا ہو کہ خزانے کے خزانے اونٹوں پر لدے ہوئے اس کی دارالحکومت میں آ رہے ہوں، سپہ سالار ایسا کہ مٹھی بھر نہتے آدمیوں کو لے کر ہزاروں کی غرق آہن فوجوں سے کامیاب لڑائی لڑا ہو اور صلح پسند ایسا کہ ہزاروں پرجوش جاں نثاروں کی ہمرکابی کے باوجود صلحنامہ پر بے چوں و چرا دستخط کر دیتا ہو، شجاع اور بہادر ایسا کہ ہزاروں کے مقابلہ میں تنہا کھڑا ہو، نرم دل ایسا کہ کبھی اس نے انسانی خون کا ایک قطرہ بھی اپنے ہاتھ سے نہ بہایا ہو، باتعلق ایسا کہ عرب کے ذرہ ذرہ کی اس کی فکر، غریب مفلس مسلمانوں کی اسکو فکر، خدا کی بھولی ہوئی دنیا کے سدھار کی اس کو فکر، غرض سارے سنسار کی اسکو فکر اور بے تعلق ایسا کہ اپنے خدا کے سوا اور اس کو یاد نہیں اور اس کے سوا ہر چیز کو فراموش، اسنے کبھی اپنی ذات کے لئے اپنے برا کہنے والوں سے کبھی انتقام نہیں لیا اور اپنے ذاتی دشمنوں کے حق میں دعائے خیر کی اور ان کا بھلا چاہا، لیکن خدا کے دشمنوں کو اس نے کبھی معاف نہیں کیا اور حق کا راستہ روکنے والوں کو ہمیشہ جہنم کی دھمکی دیتا اور عذاب الٰہی سے ڈراتا رہا، عین اس وقت جب اس پر ایک تیغ زن سپاہی کا دھوکہ ہوتا وہ ایک شب زندہ دار زاہد کی صورت جلوہ نما ہو جاتا ہے، عین اس وقت جب اس پر کشورکشا فاتح کا شبہ ہو وہ پیغمبرانہ معصومیت کے ساتھ ہمارے سامنے آجاتا ہے، عین اس وقت جب ہم اس کو شاہ عرب کہہ کر پکارنا چاہتے ہیں وہ کھجور کی چھال کا تکیہ لگائے خالی چٹائی پر محو خواب نظر آتا ہے، عین جس دن جب عرب کے اطراف سے اس کے صحن مسجد میں مال و اسباب کا انبار لگا ہوتا ہے اسکے اہلبیت میں فاقہ کی تیاری ہو رہی ہے، عین اس عہد میں جب لڑائیوں کے قیدی مسلمانوں کے

گھروں میں لونڈی اور غلام بن کر بھیجے جا رہے ہوں فاطمہ بنت رسولؐ جا کر اپنے ہاتھوں کا چھالا اور سینہ کا داغ باپ کو دکھاتی ہیں جو چکی پیستے پیستے اور مشکیزہ بھرتے بھرتے ہاتھ اور سینہ پر پڑ گیا تھا، عین اس وقت جب نصف عرب اس کے زیر نگین ہوتا ہے، حضرت عمرؓ حاضر دربار ہوتے ہیں، ادھر ادھر نظر اٹھا کر کاشانۂ نبوت کا جائزہ لیتے ہیں آپ ایک کھری چارپائی یا چٹائی پر آرام فرما رہے ہیں جسم مبارک پر بانوں کے نشان پڑ گئے ہیں ایک طرف مٹھی بھر جو رکھے ہیں، ایک کھونٹی میں خشک مشکیزہ لٹک رہا ہے، سرور کائنات کے گھر کی یہ کل کائنات دیکھ کر حضرت عمرؓ رو پڑتے ہیں، سبب دریافت ہوتا ہے، عرض کرتے ہیں یا رسول اللہؐ اس سے بڑھ کر رونے کا اور کیا موقع ہوگا، قیصر و کسریٰ دنیا کی باغ و بہار کے مزے لوٹ رہے ہیں اور آپ پیغمبر ہو کر اس حالت میں ہیں، ارشاد ہوا، عمرؓ! کیا تم اس پر راضی نہیں کہ قیصر و کسریٰ مزے لوٹیں اور ہم آخرت کی سعادت (بخاری ذکر ایلاء)

ابو سفیان جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے حریف تھے، فتح مکہ کے دن وہ حضرت عباسؓ کے ساتھ کھڑے ہو کر اسلامی لشکر کا تماشا دیکھ رہے ہیں رنگ برنگ کی ترکوں اور جھنڈیوں کے سایہ میں اسلام کا دریا امنڈ آرہا ہے۔ قبائل عرب کی موجیں جوش مارتی ہوئی بڑھتی چلی آرہی ہیں، ابو سفیان کی آنکھیں اب بھی دھوکہ کھاتی ہیں، وہ حضرت عباس سے کہتے ہیں، عباسؓ! تمہارا بھتیجہ بڑا بادشاہ بن گیا، عباسؓ کی آنکھیں کچھ اور دیکھ رہی تھیں، فرمایا ابو سفیان! یہ بادشاہی نہیں نبوت ہے۔

عدی بن حاتم قبیلہ طے کے رئیس مشہور حاتم طائی کے فرزند تھے اور مذہباً عیسائی تھے وہ حضورؐ کے دربار آتے ہیں، صحابہؓ کے عقیدتمندیوں اور جہاد کا ساز و سامان ان کو اس فیصلہ میں ذقت ہوتی ہے کہ محمدؐ بادشاہ ہیں یا پیغمبر، دفعتہً مدینہ کی ایک

غریب لونڈی آکر کھڑی ہوتی ہے کہتی ہے کہ حضور سے کچھ عرض کرنا ہے، فرماتے ہیں، دیکھو مدینہ کی جس گلی میں کہو میں تمہاری باتیں سن سکتا ہوں یہ کہکر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور اسکی حاجت پوری کر دیتے ہیں، اس سے ظاہری جاہ وجلال کے پردہ میں یہ عجز بہ خاکساری یہ تو تواضع دیکھکر آنکھوں کے سامنے سے پردہ ہٹ جاتا ہے اور وہ دل میں فیصلہ کر لیتے ہیں کہ یہ یقیناً پیغمبرانہ شان ہے، فوراً گلے سے صلیب اتار دیتے ہیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلقۂ اطاعت اس میں ڈال لیتے ہیں۔

غرض میں نے جو کچھ پہلے کہا وہ محض شاعرانہ انشاپردازی نہیں، بلکہ تاریخی واقعات ہیں، ایسی کامل وجامع ہستی جو اپنی زندگی میں ہر نوع اور قسم اور ہر گروہ اور صنف انسانی کے لئے ہدایت کی مثالیں اور نظریں رکھتی ہو وہی اس لائق ہے جو اس اصناف اور نوع سے بھری ہوئی دنیا کی عالمگیر اور دائمی رہنمائی کا کام انجام دے جو غیظ وغضب اور رحم و کرم، جود وسخا، اور فقر وفاقہ، شجاعت و بہادری اور رحمدلی اور رقیق القلبی خانہ داری اور خدادانی، دنیا اور دین دونوں کے لئے ہم کو اپنی زندگی کے نمونوں سے بہرہ مند کر دے جو دنیا کی بادشاہی کے ساتھ آسمان کی بادشاہی اور آسمان کی بادشاہی کے ساتھ دنیا کی بادشاہی کی بھی بشارت دے اور دونوں بادشاہیوں سے قواعد قوانین اور دستور العمل کو اپنی زندگی میں برت کر دکھا دے، عام طور سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ دنیا میں صرف عفو و درگذر معافی اور نرمی انسانیت کی تکمیل کے سب سے بڑے ذریعے ہیں، بلکہ فقط یہی ذریعے ہیں اس لئے جس ہستی میں صرف یہی ایک پہلو ہو وہی انسانیت کا سب سے بڑا معلم اور محسن ہے، لیکن ہمیں یہ بتاؤ کہ انسان کے اخلاق میں فقط یہی قوتیں ودیعت ہیں، اک کے مقابل کی بھی قوتیں بھی ہیں، ایک انسان میں دیکھو تو غصہ اور کرم محبت اور عدالت

خواہش اور قناعت، انتقام اور عفو، ہر قسم کے فطری جذبات موجود ہیں اس لئے ایک کامل معلم وہی ہو سکتا ہے جو انسانیت کے ان تمام قومی اور جذبات میں اعتدال پیدا کر کے ان کے صحیح مصرف کو متعین کر دے، جن مذہبوں کو یہ دعویٰ ہے کہ ان کے پیغمبروں کی سیرتیں صرف رحم و کرم، عفو و کرم، درگذر پر مبنی ہیں وہ مجھے بتائیں کہ اجتماعی حیثیت سے وہ کس دن اس پر عمل کر سکے؟ قسطنطین پہلے عیسائی بادشاہ سے لے کر آج تک عیسائی مذہب کے کتنے تاج و تخت اور بادشاہیاں قائم ہوئیں مگر ان میں کس نے اپنی سلطنت کا قانون صرف اپنے پیغمبر کی سیرت کی پیروی کو قرار دیا، پھر ایسی سیرت جو عملی دنیا میں ہر حیثیت سے اپنے پیروؤں کیلئے نمونہ ہو وہ کیونکر جامع کہی جا سکتی ہے۔

حضرت نوحؑ کی زندگی کفر کے خلاف غیظ و غضب کا ولولہ پیش کرتی ہے حضرت ابراہیمؑ کی حیات بت شکنیوں کا منظر دکھاتی ہے، حضرت موسیٰؑ کی زندگی کفار سے جنگ و جہاد اور شاہانہ نظم و نسق اور اجتماعی قوانین اور دستور کی مثال پیش کرتی ہے حضرت عیسیٰؑ کی لائف صرف خاکساری، تواضع، عفو و درگذر اور قناعت کی تعلیم دیتی ہے حضرت سلیمانؑ کی زندگی شاہانہ اولعزمیوں کی جلوہ گاہ ہے، حضرت ایوبؑ کی حیات صبر و شکر کا نمونہ ہے حضرت یونسؑ کی سیرت ندامت اور انابت اور اعتراف کی مثال ہے حضرت یوسفؑ کی زندگی قید و بند میں بھی دعوت حق اور جوش تبلیغ کا سبق ہے، حضرت داؤدؑ کی سیرت گریہ و بکا، حمد و ستائش اور دعا و زاری کا صحیفہ ہے، حضرت یعقوبؑ کی زندگی امید، خدا پر توکل اور اعتماد کی مثال ہے، لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ کو دیکھو کہ اس میں نوحؑ اور ابراہیمؑ موسیٰؑ اور عیسیٰؑ سلیمانؑ اور داؤدؑ ایوبؑ

ایوبؑ اور یونسؑ یوسفؑ اور یعقوبؑ سب کی زندگیاں اور سیرتیں سمٹ کر سما گئی ہیں۔

محدث خطیب بغدادی کی ایک ضعیف روایت میں ہے کہ آنحضرت صلعم کی پیدائش کے وقت ندا آئی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ملکوں ملکوں پھراؤ اور سمندر کی تہوں میں لیجاؤ تاکہ تمام دنیا ان کے نام و نشان کو پہچان لے، جن و انس، چرند پرند بلکہ ہر جاندار کے سامنے لیجاؤ، ان کو آدمؑ کا خلق، شیثؑ کی معرفت، نوحؑ کی شجاعت، ابراہیمؑ کی دوستی اسمٰعیلؑ کی زبان، اسحٰقؑ کی رضا، صالحؑ کی فصاحت، لوطؑ کی حکمت، موسٰیؑ کی سختی، ایوبؑ کا صبر یونسؑ کی اطاعت، یوشعؑ کا جہاد، داؤدؑ کی آواز، دانیالؑ کی محبت، الیاسؑ کا وقار یحیٰی کی پاکدامنی اور عیسٰی کا زہد عطا کرو، اور تمام پیغمبروں کے اخلاق میں ان کو غوطہ دو جن علماء نے اس روایت کو کتابوں میں جگہ دی ہے ان کا منشا درحقیقت یہی ہے کہ پیغمبر اسلام علیہ السلام کی صفت جامعیت کو نمایاں کریں کہ کچھ اور انبیاء علیہم السلام کو متفرق طور سے عطا ہوا تھا وہ سب مجموعی طور سے آنحضرت صلعم کو عنایت ہوا۔

آنحضرت صلعم کو آپ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں میں دیکھو تو اس جامعیت کی صفت کاملہ تمام تر نمایاں ہو جائے گی، مکہ کے پیغمبر کو جب مکہ سے یثرب جاتے دیکھو تو کیا وہ پیغمبر تم کو یاد نہ آئے گا جو مصر سے مدین جاتا نظر آتا ہے، کوہ حرا کے غار نشین اور کوہ سینا کے تماشائی میں ایک حیثیت سے کیسی یکسانی نظر آتی ہے مگر جو فرق ہے وہ یہ ہے کہ حضرت موسٰیؑ کی آنکھیں کھلی تھیں اور آنحضرت صلعم کی بند، حضرت موسٰی باہر دیکھ رہے تھے اور آنحضرت صلعم اندر، کوہ زیتون پر وعظ کہنے والے پیغمبر حضرت عیسٰیؑ اور کوہ صفا پر چڑھ کر یا معشر قریش کہہ کر پکارنے والے میں کتنی مشابہت ہے، بدر و حنین اور احزاب و تبوک والے سپہ سالار اور مآبیوں اور فرعونیوں اور اموریوں سے نبرد آزما پیغمبر (موسٰیؑ) میں کس

مماثلت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے سات سرداروں کے حق میں بد دعا کی تو آپ کی زندگی حضرت موسیٰؑ کے مثل تھی جب انہوں نے فرعونیوں پر بد دعا کی تو آپ کی جو معجزات یہ معجزات دیکھنے کے باوجود ایمان نہ لائے، اور جب آپ نے احد میں اپنے قاتلوں اور دشمنوں کے حق میں دعائے خیر کی تو حضرت عیسیٰؑ کے قالب میں تھے جنہوں نے کبھی اپنے دشمنوں کا بھی برا نہیں چاہا، جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تم مسجد نبوی کی عدالت گاہ اور پنچایتوں میں یا غزوات اور لڑائیوں میں دیکھو تو حضرت موسیٰ کی سیرت کا نقشہ کھنچ جائے گا، لیکن جب آپ مکانوں کے حجروں میں پہاڑوں کے غاروں میں رات کی تنہائیوں اور تاریکیوں میں دیکھو تو حضرت عیسیٰؑ کا جلوہ ہوگا، شب و روز کے ۲۴ گھنٹوں میں آپ کی زبان مبارک اور مناجاتوں کو سنو تو زبور والے داؤدؑ کا تم کو دھوکا ہوگا، فتح مکہ دن خدم وحشم اور برق و علم کے سایہ میں آپ کو دیکھو تو تزک و احتشام اور فوجوں والے سلیمانؑ کا مغالطہ ہوگا، اگر شعب ابی طالب میں آپ کو تین برس اس طرح محصور دیکھو کہ کھانے کا سامان تک بھی وہاں نہ پہنچ سکا تو مصری قید خانے کے پیغمبر یوسفؑ کا جلوہ نظر آئے گا۔
غرض ؎

حسن یوسفؑ دم عیسیٰؑ ۔ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

حضرت موسیٰؑ قانون لے کر آئے، حضرت داؤد دعا اور مناجات لے کر اور حضرت عیسیٰ زہد و اخلاق لے کر، مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قانون بھی لائے دعا و مناجات بھی، زہد و اخلاق بھی، ان سب کا مجموعہ الفاظ و معنی میں قرآن اور عمل میں سیرت محمدیؐ ہے۔

دوستو! اب سیرت محمدی کی جامعیت کا ایک اور پہلو تم کو دکھاؤں، دنیا میں دو قسم کی تعلیم گاہیں ہیں، ایک وہ جہاں صرف ایک فن سکھایا جاتا ہے اور ہر فن کے لئے الگ الگ اور مستقل تعلیم گاہیں ہیں جیسے کوئی میڈیکل کالج ہے کوئی انجینیرنگ کالج ہے ایک آرٹ اسکول ہے ایک تجارت کا مدرسہ ہے ایک زراعت گاہ ہے، ایک قانون کی درسگاہ ہے، ایک فوجی تعلیم کے لئے مدرسہ حربیہ ہے ان میں سے ہر مدرسہ اور تعلیم گاہ صرف ایک ہی قسم کے طالب علموں کی تعلیم کا انتظام کر سکتی ہے، میڈیکل کالج سے صرف ڈاکٹر نکلیں گے زراعت کے کالج سے صرف زراعت کے ماہرین پیدا ہوں گے، قانون کے مدرسہ سے صرف قانون داں تیار ہونگے تجارت کی تعلیم گاہ سے صرف تجارت کے واقف کار پیدا ہوں گے علم و فن کے مدرسوں کی خاک سے صرف اہل علم اور اہل فن اٹھیں گے، لٹریچر کی تعلیم گاہ سے صرف انشا پرواز اور ادیب نکلیں گے، ملٹری کالج سے صرف سپاہی پیدا ہوں گے علیٰ ہذا القیاس لیکن کہیں کہیں بڑی بڑی یونیورسٹیاں ہوتی ہیں، یہ دوسری قسم کی تعلیم گاہیں ہیں جو اپنی وسعت کے مطابق ہر قسم کی تعلیم و تربیت کا انتظام کرتی ہیں، ان کے احاطہ میں ڈاکٹری کا کالج ہوتا ہے، صنعت و حرفت کا مدرسہ بھی ہوتا ہے زراعت اور انجینیرنگ کی درس گاہ ہوتی ہے فوجی تعلیم کا بھی ہے، طلبہ مختلف اطراف اور دیار سے آتے ہیں اور اپنے اپنے ذوق اور مناسبت طبع اور استعداد کے مطابق ایک ایک کالج یا مدرسہ کا انتخاب کر لیتے ہیں پھر وہاں فوجوں کے جنرل اور سپاہی، عدالتوں کے قاضی اور قانون داں کاروبار کے تاجر اور مہندس شفاخانوں کے حکیم اور ڈاکٹر پیشوں اور صنعتوں کے واقف کار اور ماہر سب ہی پیدا ہوتے ہیں۔

غور کرو تو معلوم ہو گا کہ صرف ایک ہی تعلیم ایک ہی پیشہ اور ایک ہی علم کے جاننے والوں سے انسانی سوسائٹی کی تکمیل نہیں ہو سکتی بلکہ ان سب کے مجموعہ سے وہ کمال کو پہنچ سکتی ہے اگر صرف ایک ہی علم اور ایک ہی پیشہ کے ماہرین سے تمام دنیا معمور ہو جائے، یہاں تک کہ اگر تمام دنیا صرف زاہد پیشہ خلوت نشینوں سے بھر جائے تب بھی دنیا اپنی تکمیل کی درجہ کو نہیں پہنچ سکتی اب آؤ اس معیار سے مختلف انبیاء کرام علیہم السلام کی سیرتوں پر غور کریں، بقول حضرت مسیح درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے، درسگاہیں اپنے معنوی فرزندوں اور شاگردوں سے پہچانی جاتی ہیں تعلیم انسانی کی وہ درسگاہیں جن کے اساتذہ انبیاء ہیں ان کا جائزہ لو تو پہلے کہیں دس بیس کہیں ساٹھ ستر کہیں سو دو سو کہیں ہزار دو ہزار، بندرہ بیس ہزار طالب علم آپ کو ملیں گے، لیکن جب مدرسہ نبوت کی آخری تعلیم گاہ کو دیکھو گے تو تم کو ایک لاکھ سے زیادہ طالب علم بیک وقت نظر آئیں گے، پھر ان دوسری نبوت گاہوں کے طلبہ کو اگر جاننا چاہو کہ وہ کہاں تھے؟ کون تھے؟ کیسے تیار ہوئے اور ان کے اخلاق و عادات روحانی حالات اور دیگر سوانح زندگی کیا تھے؟ اور ان کی تعلیم و تربیت کے عملی نتائج کیسے ثابت ہوئے، تو تم کو ان سوالات کا کوئی جواب نہیں مل سکتا مگر رسول اللہ صلعم کی درسگاہ میں ہر چیز تم کو معلوم ہو سکتی ہے اس کے ہر ایک طالب علم کا نام و نشان حالات و سوانح نتائج تعلیم و تربیت ہر چیز تاریخ اسلام کے اوراق میں ثبت ہیں آگے بڑھو نبوت اور دعوت مذہب کی ہر ایک درسگاہ کے بانی اور معلم اول کی سیرت پڑھو کہ کیا اس کے عہد میں صرف کسی ایک ہی ملک ایک ہی نسل ایک ہی خاندان کے طالب علم اس میں داخل ہوتے اور ان کو داخلہ کی اجازت دی گئی یا ان کی دعوت

ہیں یہ عموم، جامعیت اور عالمگیری تھی کہ نسل آدمؑ کا ہر ایک فرزند اور ارض خاک کا ہر ایک باشندہ اسمیں عملاً داخل ہو سکا یا اسکو داخل ہونے کیلئے آواز دی گئی، تورات کے تمام انبیاء ملک عراق یا ملک شام یا ملک مصر سے آگے نہیں بڑھے یعنی اپنے وطن میں جہاں وہ رہتے تھے محدود رہے اور اپنی نسل وقوم کے سوا غیروں کو انہوں نے آواز نہیں دی، زیادہ تر ان کی کوششوں کا مرکز صرف اسرائیل کا خاندان رہا، عرب کے قدیم انبیاء بھی اپنی اپنی قوموں کے ذمہ دار تھے وہ باہر نہیں گئے، حضرت عیسیٰؑ کے مکتب میں بھی غیر اسرائیلی طالب علم کا وجود نہ تھا وہ صرف اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی تلاش میں نکلے (متی باب ۷، آیت ۲۴) اور غیروں کو تعلیم دیکر وہ بچوں کی روٹی کتوں کے آگے ڈالنا پسند نہیں کرتے، ہندوستان کے دائمی پاک آریہ ورت سے باہر جانے کا خیال بھی دل میں نہیں لا سکتے تھے، اگرچہ بدھ کے پیرو بادشاہوں نے اس کے پیغام کو باہر کی قوموں تک پہنچایا مگر یہ عیسائیوں کی طرح بعد کے پیروؤں کا فعل تھا، خود داعی مذہب کی سیرت اس عالمگیری اور جامعیت کی مثال سے خالی ہے۔

اب آؤ ذرا عرب کے اس امی معلم کی درسگاہ کا مطالعہ کریں یہ کون طالب العلم ہیں ابوبکرؓ و عمرؓ و علیؓ و عثمانؓ طلحہؓ و زبیرؓ وغیرہ رضی اللہ عنہم، مکہ کے قریشی طالب العلم ہیں، یہ کون ہیں؟ ابوذرؓ اور انیسؓ ہیں، یہ مکہ سے باہر تہامہ کے غفاری قبیلہ کے ہیں یہ کون ہیں؟ یہ ابوہریرہؓ اور طفیل بن عمروؓ ہیں اور دوسی قبیلہ کے ہیں، یہ کون ہیں؟ یہ ابوموسیٰ اشعریؓ اور معاذ بن جبلؓ ہیں یہ بھی یمن سے آئے اور دوسرے قبیلوں کے ہیں یہ کون ہیں؟ یہ ضماد بن ثعلبہ ہیں قبیلہ ازد کے ہیں، یہ کون ہیں؟ یہ خبابؓ بن الارت قبیلہ تمیم کے ہیں، یہ منقذ بن حبانؓ اور منذر بن عائذ ہیں جو عبدالقیس کے قبیلہ کے ہیں

اور بحرین سے آئے ہیں، یہ عبیدؓ و جعفرؓ عمان کے رئیس ہیں یہ فروہؓ ہیں، یہ معان یعنی حدود شام کے رہنے والے ہیں، یہ کالے کالے کون ہیں؟ یہ بلالؓ ہیں ملک حبش والے ہیں، یہ کون ہیں؟ صہیبؓ رومی کہلاتے ہیں، یہ کون ہیں؟ یہ ایران کے سلمان فارسیؓ یہ فیروز دیلمیؓ ہیں، یہ بخت ہیںؓ اور بر کیدؓ ہیں نسلاً ایرانی ہیں۔

حدیبیہ کی صلح ۶ھ میں وہ عہد نامہ مرتب کراتی ہے جو اسلام کا عین منشا ہے یعنی قریش اور مسلمان دونوں فریق جنگ موقوف کریں اور مسلمان چاہیں اپنے مذہب کی دعوت دیں، اس نتیجہ بخش کامیابی کے حصول کے بعد پیغمبر اسلام علیہ السلام نے کیا کیا؟ اسی سال ۷ھ میں تمام قوموں کے سلاطین اور امراء کے نام دعوت اسلام کے خطوط بھیجے اور انکو خدا کا پیغام پہنچایا، دحیہ کلبیؓ ہرقل قیصر روم کی بارگاہ میں عبداللہ بن حذافہ سہمیؓ خسرو پرویز شہنشاہ ایران کے دربار میں حاطب بن بلتعہ مقوقس عزیز مصر کے یہاں عمرو بن امیہ حبش کے بادشاہ نجاشی کے پاس، شجاع بن وہب اسدی شام کے رئیس حارث غسانی اور سلیط بن عمرو رؤسائے یمامہ کے درباروں میں پیغمبر اسلام کے خطوط لے کر جاتے ہیں کہ محمدؐ کی درسگاہ میں داخلہ کا اذن عام ہے۔

حضرات اس واقعہ سے درسگاہ محمدی کی جامعیت کا یہ پہلو نمایاں ہوتا ہے کہ اس میں داخلہ کیلئے رنگ و روپ، ملک و وطن، قوم و نسل اور زبان و لہجہ کا سوال نہ تھا، بلکہ دنیا کے تمام خاندانوں، تمام قوموں، تمام ملکوں اور تمام زبانوں کے لئے عام تھا۔

صلائے عام تھا یاران نکتہ داں کے لئے

اب آؤ اس درسگاہ کی حیثیت اور درجہ کا پتہ لگائیں، کیا یہ وہ اسکول اور

کالج ہے جہاں ایک ہی فن کی تعلیم ہوتی ہے یا اس کی حیثیت ایک جامع اور عمومی درسگاہ اور عظیم الشان یونیورسٹی کی ہے، جہاں ذوق مناسبت اور استعداد کے مطابق ہر ملک کے لوگوں اور ہر قوم کے افراد کو الگ الگ تعلیم ملتی ہے۔

حضرت موسیٰؑ کی تعلیمی سیرت کو دیکھو ان کے یہاں صرف فوج کے سپاہیوں اور یوشع جیسے صرف فوجی افسروں اور قاضیوں اور کچھ مذہبی عہدہ داروں کا وجود ہے حضرت عیسیٰؑ کے طالب العلموں کو تلاش کرو، چند زہد پیشہ فقراء فلسطین کی گلیوں میں مل جائیں گے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں کیا نظر آئے گا؟ ایک طرف اصحمہ حبش کا نجاشی بادشاہ، فروہ معان کا رئیس، ذوالکلاع حمیر کا رئیس، عامر بن شہر قبیلہ ہمدان کا رئیس فیروز دیلمی اور مرکبود یمن کے رئیس، عبیدؓ و جعفر عمان کے رئیس دوسری طرف بلالؓ، یاسرؓ، صہیبؓ، خبابؓ، عمارؓ اور ابو فکیہ کے سے غلام اور لمینیہ زنیرہ، نہدیہ اور ام عبیس کی لونڈیاں ہیں، غور سے دیکھو امیر و غریب شاہ و گدا آقا و غلام دونوں ایک صف میں کھڑے ہیں۔

ایک طرف عقلائے روزگار، اسرار فطرت کے محرم دنیا کے جہانبان اور ملکوں کے فرمانروا اسی درسگاہ سے تعلیم پاکر نکلے ہیں، ابوبکر صدیقؓ ہیں، عمر فاروقؓ ہیں، عثمان غنیؓ علی مرتضیٰؓ ہیں، معاویہ بن ابی سفیانؓ ہیں، جنہوں نے مشرق سے مغرب تک افریقہ سے ہندوستان کی سرحد تک فرمانروائی کی اور ایسی فرمانروائی جو دنیا کے بڑے بڑے شہنشاہ اور حکمران کی سیاست و تدبیر اور نظم ونسق کے کارناموں کو منسوخ کر دیتی ہے ان کے عدل وانصاف کے فیصلے، ایرانی دستور اور رومی قانون کو بے اثر کر دیتے ہیں اور دنیا کی سیاسی و انتظامی تاریخ میں وہ درجہ حاصل کر لیتے ہیں، جن کی

مثال نہیں پیش کی جا سکتی۔

• دوسری طرف خالد بن ولیدؓ، سعد بن وقاصؓ، ابو عبیدہ بن جراحؓ، عمرو بن العاصؓ پیدا ہوئے ہیں جو مشرق و مغرب کی دو ظالم و گنہگار اور انسانیت کیلئے لعنت سلطنتوں کا چند سال میں مرقع الٹ دیتے ہیں اور دنیا کے وہ فاتحین اعظم اور سپہ سالار اکبر ثابت ہوتے ہیں، جن کے فاتحانہ کارناموں کی دھاک آج بھی دنیا میں باقی ہے، سعدؓ نے عراق و ایران کا تاج شہنشاہی اتار کر اسلام کے قدموں پر ڈالدیا، خالدؓ اور ابو عبیدہؓ نے رومیوں کو شام سے نکال کر ابراہیمؑ کی موعودہ زمین کی امانت مسلمانوں کے سپرد کر دی، عمر بن العاصؓ نے فرعون کی سرزمین وادی نیل روم شہنشاہی کے ہاتھوں زبردستی چھین لی، عبداللہ بن زبیرؓ اور ابن ابی سرحؓ نے افریقہ کا میدان دشمنوں سے جیت لیا یہ وہ مشہور فاتحین اور سپہ سالار ہیں جنکی قابلیتوں کو زمانے نے تسلیم کیا ہے اور تاریخ نے ان کی بزرگی کی شہادت دی ہے۔

تیسری طرف باذان بن ساسان (یمن) خالد بن سعید (صنعا) مہاجر بن امیہ (کندہ) زیاد بن لبید (حضرموت)، عمرو بن حزم (نجران) یزید بن ابو سفیان (تیمار) علاء بن حضرمی (بحرین) وغیرہ بیسیوں وہ صحابہؓ ہیں، جنہوں نے صوبوں اور شہروں کی کامیاب حکومت کی اور خلق خدا کو آرام پہنچایا، چوتھی طرف علماء اور فقہا کی صف ہے عمر بن خطابؓ علی بن ابی طالبؓ عبداللہؓ بن عباسؓ عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عمرؓ و ابن العاصؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت ام سلمہؓ ابی بن کعبؓ، معاذ بن جبلؓ، زید بن ثابتؓ ابن زبیرؓ وغیرہ ہیں جنہوں نے اسلام کے فقہ و قانون کی بنیاد ڈالی اور دنیا کے مقننین میں انہوں نے درجہ پایا، پانچویں صف عام ارباب روایت اور تاریخ کی ہے

مثلاً حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ، حضرت انس بن مالکؓ، حضرت ابو سعید خذریؓ، حضرت عبادہ بن صامتؓ حضرت جابر بن عبداللہؓ، حضرت براء بن عازبؓ وغیرہ سینکڑوں صحابہؓ ہیں جو احکام وو قائع کے ناقل اور راوی ہیں، ایک چھوٹی جماعت ان ستر صحابہؓ اہل صفہ کی ہے، جن کے پاس سر رکھنے کیلئے مسجد نبوی کے چبوترہ کے سوا کوئی جگہ نہ تھی، بدن پر کپڑوں کے سوا دنیا میں ان کی کوئی ملکیت نہ تھی وہ دن کو جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتے اور ان کو بیچ کر خود کھاتے، کچھ خدا کی راہ میں دیتے اور رات کو طاعت و عبادت میں بسر کرتے، ساتواں رخ دیکھو ابو ذرؓ ہیں، جن کے مانند آسمان کے نیچے ان سے زیادہ کوئی حق گو پیدا نہیں ہوا، جن کے نزدیک آج کا کھانا کل کیلئے اٹھا رکھنا بھی نشان توکل کے خلاف تھا اور جن کو دربار رسالت نے مسیح الاسلام کا خطاب عنایت کیا تھا، سلمان فارسیؓ ہیں جو زہد و تقویٰ کی تصویر ہیں، عبداللہ بن عمرؓ ہیں جنہوں نے تیس برس کامل طاعت و عبادت میں گذار دیے اور جب ان کے سامنے خلافت پیش ہوئی تو فرمایا کہ اگر اس میں مسلمانوں کا ایک قطرہ بھی خون گرے تو مجھے منظور نہیں، مصعب بن عمیرؓ ہیں جو اسلام سے پہلے فاقم اور حریر کے کپڑے پہنتے تھے اور ناز و نعمت میں پلے تھے اور جب اسلام لائے تو ٹاٹ اوڑھتے تھے اور پیوند لگے کپڑے پہنتے تھے اور جب شہادت پائی تو کفن کیلئے پورا ٹاٹ نہ ملا پاؤں پر گھاس ڈال کر دفن ہوئے، عثمان بن مظعونؓ ہیں جو اسلام کے پہلے صوفی کہلاتے ہیں، محمد بن سلمہؓ ہیں جو فتنہ کے زمانے میں کہتے تھے کہ اگر کوئی مسلمان تلوار لے کر بھی میرے حجرے میں میرے قتل کرنیکو داخل ہو جائے تو میں اس کی پرواہ نہ کروں گا، ابو درداءؓ ہیں جن کی راتیں نمازوں میں اور دن روزوں میں گذرتے تھے۔

ایک طرف اور دیکھو، یہ بہادر کارپردازوں اور عرب کے مدبرین کی جماعت ہے اس میں طلحہؓ ہیں زبیرؓ ہیں، مقدادؓ ہیں، سعد بن معاذؓ ہیں، سعد بن عبادہ، اسید بن حضیرؓ ہیں، اسعد بن زرارہؓ ہیں، عبدالرحمٰن بن عوفؓ ہیں، کاروباری دنیا میں دیکھو تو مکہ کے تاجر اور بیوپاری اور مدینہ کے کاشتکار اور کسان بھی ہیں، اور عبدالرحمٰنؓ بن عوف، سعد بن زبیرؓ جیسے دولت مند بھی ہیں۔

ایک جماعت حق کے شہیدوں اور بے گناہ مقتولوں کی ہے جنہوں نے خدا کی راہ میں اپنی عزیز جانیں قربان کیں، مگر حق کا ساتھ چھوڑنے پر راضی نہ ہوئے حضرت خدیجہ کے پہلے شوہر سے فرزند ہالہ تلواروں سے قیمہ کئے گئے، سمیہ حضرت یاسرؓ کفار کے ہاتھ سے اذیت اٹھاتے اٹھاتے مر گئے، حضرت خبیبؓ نے سولی پر جان دی، حضرت زید نے تلوار کے سامنے گردن جھکائی، حرام بن ملحان اور ان کے انہتر رفقا نے بیر معونہ پر عصیہ ورعل اور ذکوان قبائل کے ہاتھوں بے کسی کے ساتھ جام شہادت پیا، واقعۂ رجیع میں حضرت عاصم اور ان کے سات رفیقوں کے بدن بنو لحیان کے سو تیراندازوں کے تیروں سے چھلنی ہوئے، ۷ھ میں ابن ابی العوجا کے ۴۸ آدمی قبیلہ بنو سلیم کے ہاتھوں شہید ہوئے، حضرت کعب بن عمر غفاریؓ مع اپنے ساتھیوں کے ذات اطلاح کے میدان میں شہید ہوئے، دنیا کے ایک مشہور مذہب کو صرف ایک سولی پر ناز ہے، لیکن دیکھو کہ اسلام میں کتنی سولیاں، کتنے ذبح اور کتنے مقتل ہیں۔

تلوار کی دھار ہو کہ برچھی کی انی یا سولی کی لکڑی بہرحال یہ ایک آنی تکلیف ہے اس سے زیادہ استقلال اور اس سے زیادہ صبر آزمائش کی وہ زندگیاں ہیں جو

سالہا سال حق کی مصیبتوں میں گرفتار رہیں، جنہوں نے آگ کے شعلوں اور گرم ریت کے فرش پر آرام کیا، اور پتھر کی سلوں کو اپنے سینوں پر رکھا جنکے گلوں میں رسیاں ڈالکر گھسیٹی گئیں اور جب پوچھا گیا تو وہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ ان کی زبانوں پر تھا شعب ابی طالب کی نظربندی میں تین برس تک جنہوں نے طلح (ایک درخت) کے پتے کھا کھا کر زندگی بسر کی، سعد وقاص کہتے ہیں کہ ایک رات بھوک کی شدت سے ایک سوکھا چمڑا ملگیا تو اسی کو دھو کر آگ پر بھون کر اور پانی میں ملا کر کھایا، عتبہ بن غزوان رضی کہتے ہیں کہ ہم سات مسلمان تھے ان غیر فطری غذاؤں کو کھا کھا کر ہمارے منہ زخمی ہو گئے، حباب رضی جب اسلام لائے تو کافروں نے انکو دہکتے ہوئے کوئلوں پر لٹایا یہانتک کہ دہکتے ہوئے کوئلے انہیں کی پیٹھ کے نیچے ٹھنڈے ہو گئے، بلال رضی دوپہر کی جلتی ریت پر لٹائے جاتے اور سینہ پر پتھر کی سل رکھ دی جاتی، انکے گلے میں رسی باندھی جاتی اور گلی گلی انکو گھسیٹا جاتا، ابو فکیہہ رضی کو ان کے پاؤں میں رسی باندھ کر گھسیٹا گیا، ان کا گلا دبایا گیا، ان کے سینے پر اتنا بھاری پتھر رکھا گیا کہ زبان نکل پڑی، عمار رضی جلتی ریت کے فرش پر لٹائے جاتے اور مارے جاتے، حضرت زبیر رضی کو ان کے چچا چٹائی میں لپیٹ کر ناک میں دھواں دیتے، سعید بن زید رضی رسیوں میں باندھ کر پیٹے جاتے، حضرت عثمان رضی کو ان کے چچا نے رسی میں باندھ کر مارا، یہ سب کچھ تھا مگر جو نشہ چڑھ چکا تھا وہ اترتا نہ تھا یہ کیسا نشہ تھا؟ یہ ساقی کوثر کے خمخانۂ جاوید کا نشہ تھا۔

عزیزو! غور کا مقام ہے یہ وہی وحشی عرب، وہی بت پرست عرب، وہی بد اخلاق عرب ہیں، یہ کیا انقلاب ہو گیا تھا؟ ایک امی کی تعلیم جاہل عربوں کو عاقل، روشن دماغ اور متفنن کیونکر بنا گئی، ایک تنہا پیغمبر کا ولولۂ تبلیغ، کس مپرسی عربوں کو سپہ سالار

اور بہادر بنا کر نئے زور قوت کا خزانہ کیسے عطا کر گیا، جو خدا کے نام سے بھی آشنا نہ تھے وہ ایسے شب زندہ دار عابد متقی اور طاعت گذار کیونکر ہو گئے، تم نے درسگاہ محمدی یا مدینہ یونیورسٹی کی پوری سیر کر لی، ہر رنگ اور ہر مذاق کے طالب العلم دیکھے، مفلس بھی دیکھے، شاہ وامیر بھی دیکھے غلام بھی دیکھے آقا بھی دیکھے لڑنے والے بھی دیکھے، مرنے والے بھی دیکھے، راہ حق کے شہیدوں کو بھی دیکھا، تم نے کیا فیصلہ کیا؟ اس کے سوا کیا فیصلہ ہو سکتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات انسانی کمالات اور صفات حسنہ کا ایک کامل مجموعہ تھی، یہ سب انہیں کی جامعیت کی نیرنگیاں اور جلوہ آرائیاں تھیں جو کبھی صدیق رضؓ وفاروق رضؓ ہو کر چمکتی تھیں، کبھی ذی النورین رضؓ اور مرتضی رضؓ ہو کر نمایاں ہوتی تھیں، کبھی خالد رضؓ اور ابو عبیدہ رضؓ، کبھی سعد رضؓ وجعفر طیار رضؓ ہو کر سامنے آتی تھیں، کبھی ابن عمر رضؓ اور ابو ذر رضؓ اور سلمان رضؓ اور ابو درداؓ ہو کر مسجد و محراب میں نظر آتی تھیں، کبھی ابن عباس رضؓ، ابی ابن کعب رضؓ، زید بن ثابت رضؓ اور عبد اللہ بن مسعود رضؓ کی صورت میں علم وفن کی درسگاہ اور عقل وحکمت کی دبستان بن جاتی تھیں اور کبھی بلال رضؓ وصہیب رضؓ اور عمار رضؓ وخبیب رضؓ کی امتحان گاہوں میں تسلی کی روح اور تسکین کا پیام بن جاتی تھیں گویا محمد رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وجود مبارک آفتاب عالم تاب تھا جس سے اونچے پہاڑ، ریتیلے میدان، بہتی نہریں، سرسبز کھیت اپنی اپنی طاقت کے مطابق مختلف قسم کے نور حاصل کرتے تھے، یا ابر باراں تھا جو پہاڑ اور جنگل، میدان اور کھیت ریگستان اور باغ ہر جگہ برستا تھا، اور ہر ٹکڑا اپنی اپنی استعداد کے مطابق سیراب ہو رہا تھا اور قسم قسم کے درخت اور رنگا رنگ کیلوں اور سبزے جم رہے تھے اور اگ رہے تھے ان نیرنگیوں کے ساتھ اور اس اختلاف استعداد کے باوجود ایک چیز تھی:

جو مشترک طور سے سب میں نمایاں تھیں، وہ ایک بجلی تھی جو سب میں کوند رہی تھی ایک روح تھی جو سب میں تڑپ رہی تھی وہ بادشاہ ہوں یا گدا، امیر ہوں یا غریب، حاکم ہوں یا محکوم، قاضی ہوں یا گواہ، افسر ہوں یا سپاہی، استاد ہوں یا شاگرد، عابد و زاہد ہوں یا کاروباری، غازی ہوں یا شہید، توحید کا نور، اخلاص کی رو، قربانی کا ولولہ خلق کی ہدایت اور رہنمائی کا جذبہ اور بالآخر ہر کام میں خدا کی رضا طلبی کا جوش ہر ایک کے اندر کام کر رہا تھا اور جو کچھ بھی ہوں، جہاں بھی ہوں اور جو کچھ بھی کر رہے ہوں یہ فیضان حق سب میں یکساں اور برابر تھا، راستوں، رنگتوں اور مذاقوں کا اختلاف تھا مگر خدا ایک تھا، قرآن ایک تھا، رسول ایک تھا اور قبلہ ایک تھا ہر رنگ اور ہر راستہ اور ہر کام سے مقصود دنیا کی درستی خلق کی ہمدردی اور خدا کے نام کی اونچائی اور حق کی ترقی تھی، اور اس کے سوا کوئی چیز ان کے پیش نظر نہ تھی۔

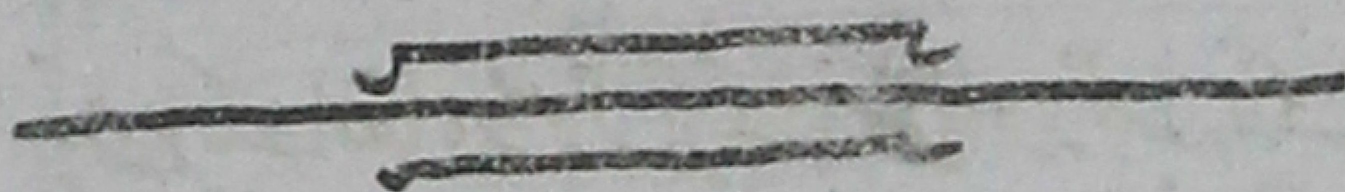
عزیز و اور دوستو! ہم نے آج کی تقریر میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت جامعیت کی نیرنگیاں مختلف پہلوؤں سے دکھائیں اگر تم مطالعہ فطرت کے بعد یقین رکھتے ہو کہ یہ دنیا انسانی مزاجوں اور انسانی صلاحیتوں اور استعدادوں کے اختلاف کا نام ہے تو یقین کرو کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جامع شخصیت کے سوا اس کا کوئی آخری اور دائمی اور عالمگیر رہنما نہیں ہو سکتا، اسی لئے اعلان فرمایا۔

اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

اگر تم کو خدا کی محبت کا دعویٰ ہے تو آؤ میری پیروی کرو، اگر تم بادشاہ ہو تو میری پیروی کرو، اگر تم رعایا ہو تو میری پیروی کرو، اگر تم سپہ سالار یا سپاہی

ہو تو میری پیروی کرو، اگر تم استاد یا معلم ہو تو میری پیروی کرو، اگر دولت مند ہو تو میری پیروی کرو، اگر غریب ہو تو میری پیروی کرو، اگر بے کس اور مظلوم ہو تو میری پیروی کرو، اگر خدا کے عابد ہو تو میری پیروی کرو، اگر قوم کے خادم ہو تو میری پیروی کرو، غرض جس نیک راہ پر بھی ہو اور اس کیلئے بلند سے بلند اور عمدہ نمونہ چاہتے ہو تو میری پیروی کرو۔

اللھم صل علیہ وسلم وعلی آلہ وصحابہ اجمعین



۶۔ عملی پہلو یا عملیت

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ

صاحبو! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کس چیز میں اور کیونکر کرنی چاہیئے اس کے لئے آج بھی ہم کو سیرت نبوی علی صاحبہا السلام کا عملی پہلو دکھانا ہے یہ انبیائے کرام اور بانیان مذاہب کے موجودہ سیرتوں کا وہ باب ہے جو تمام تر خالی اور سادہ ہے، لیکن محمد رسول اللہ صلعم کی سیرت کا یہی باب سب سے بڑا اور ضخیم ہے اور تنہا یہی معیار اس فیصلہ کے لئے کافی ہے کہ نبیوں کا سردار اور رسولوں کا خاتم کون ہو سکتا ہے، مفید نصیحتوں، میٹھی میٹھی باتوں اور اچھی اچھی تعلیموں کی دنیا میں کمی نہیں ہے کمی جس چیز کی ہے وہ کام اور عمل ہے موجودہ مذاہب کے شارعوں اور بانیوں کی سیرتوں کے تمام صفحے پڑھ جاؤ، دلچسپ تقریریاں ملیں گی، دلآویز حکایتیں ملیں گی، خطیبانہ بلند آہنگیاں ملیں گی، تقریر کا زور شور اور فصاحت و بلاغت کا جوش نظر آئے گا، مؤثر تمثیلیں تھوڑی دیر کے لئے خوش کر دیں گی مگر جو چیز نہیں ملیگی وہ عمل کام اور اپنے احکام اور نصائح کو آپ برت کر اور کر کے دکھانا ہے۔

انسان کی عملی سیرت کا نام خلق اخلاق ہے، قرآن کے سوا اور کس دین اور مذہب کے صحیفہ نے اپنے شارع اور بانی کی نسبت اس بات کی کھلی شہادت دی ہے کہ وہ اپنے عمل کے لحاظ سے بلند جہاں بلند انسان تھا، لیکن قرآن نے صاف کہا اور دوست

دو دشمن کے مجمع میں علی الاعلان کہا اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (یٰسین) (اے محمد تو بلاشبہ پیغمبروں میں سے ہے اور تو اخلاق کے بڑے درجے پر ہے) یہ دونوں فقرے گو نحو میں معطوف و معطوف علیہ ہیں لیکن در حقیقت اپنے اشارۃ النص اور ترکیب کلام کے لحاظ سے علت و معلول ہیں یعنی دعویٰ اور دلیل ہیں، مکہ کا اُمّی (صلی اللہ علیہ وسلم) پکار کر کہتا ہے لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (صف) وہ تم کیوں کہتے ہو جو تم خود کرتے نہیں، اور اس اعلان کا اس کو حق تھا کیونکہ وہ کچھ کہتا تھا اس کو کرکے دکھا دیتا تھا، کوہ زیتون کے واعظ حضرت عیسیٰ اور کوہ صفا کے مبلغ محمد رسول اللہ ان دونوں کی سیرتوں کو اس عملی حیثیت سے پڑھو اور مطالعہ کرو تو معلوم ہوگا کہ ایک کی سیرت اس سے یکسر خالی ہے تو دوسرے کی سرتاپا معمور، قدرت پاکر عفو اور حلم پیش کرنا بلند اخلاق ہے لیکن کسی معذور، مجبور یا کمزور کی خاموشی کی تعبیر عفو و حلم سے نہیں کی جا سکتی، دوسرا نکتہ یہ ہے کہ ایک شخص نے کسی کو مارا نہیں کسی کو قتل نہیں کیا، کسی کے ساتھ برائی نہیں کی، کسی کا مال نہیں لوٹا، کوئی گھر نہیں بنایا، کچھ جمع نہیں کیا، لیکن یہ سب کی سب منفی اور سلبی خوبیاں ہیں یہ بتاؤ کہ مارا تو نہیں، مگر کسی غریب و کمزور کی مدد بھی کی، کسی کو قتل نہیں کیا لیکن کسی کو قتل ہونے سے بچایا بھی؟ کسی کے ساتھ برائی نہیں کی لیکن کسی کے ساتھ اچھائی بھی کی؟ کسی کا مال نہیں چھینا لیکن کسی غریب و مسکین کو کچھ دیا بھی؟ اپنے لئے کوئی گھر نہیں بنایا، لیکن کسی بے گھر اور بے خانماں کو گھر اور پناہ بھی دی؟ اپنے لئے کچھ جمع نہیں کیا لیکن دوسروں کو کچھ دیا اور دلایا بھی؟ دنیا کو یہ ثبوتی اور ایجابی خوبیاں درکار ہیں اور انہیں کا نام عمل ہے، قرآن پاک گواہی دیتا ہے

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَ لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (آلِ عمران)

خدا کی عنایت سے تم ان کے ساتھ نرمی سے پیش آتے ہو (اے محمد) اگر تم کہیں کج خلق اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ جو تمہارے آس پاس ہیں تم سے بھاگ جاتے

یہ آنحضرت صلعم کی نرم دلی کا متواتر بیان ہے جو دعویٰ اور دلیل کے ساتھ خود صحیفۂ الٰہی میں موجود ہے کہ اگر آپ نرم دل اور رحیم نہ ہوتے تو یہ وحشی، نڈر، بے خوف اور درشت مزاج عرب کبھی آپ کے گرد جمع نہ ہوتے، اور دوسری جگہ ارشاد ہے۔

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ الرَّحِيْمٌ ٥ (توبہ ع ١٦)

تمہارے پاس تم میں سے خود ایک پیغمبر آیا جس پر تمہاری تکلیف بہت شاق گذرتی ہے تمہاری بھلائی کا وہ بھوکا ہے اور ایمان والوں پر نہایت شفیق اور مہربان ہے۔

اس آیت پاک میں اللہ تعالیٰ نے پہلے رسول اللہ صلعم کے ان جذبات کا ذکر فرمایا ہے جو تمام انسانوں کے ساتھ تھے اور تمام بنی آدم کے ساتھ ہیں فرمایا کہ اے لوگو! تمہاری تکلیف اور مصیبت اٹھانا، تمہاری گنہگاری اور جہاد اور غزوات کی وجہ سے تمہارے آرام و آسائش میں خلل پڑنا رسول پر شاق اور ناگوار ہے اور تمہاری بھلائی اور خیر طلبی کا وہ بھوکا ہے، بنی نوع انسان کے ساتھ اس کی یہی خیر خواہی تمہاری دعوت و تبلیغ اور نصیحت پر پیغمبر کو آمادہ کرتی ہے اور جو لوگ اس کی دعوت اور پکار کو سن لیتے ہیں اور ان کیساتھ شفقت اور مہربانی کے ساتھ پیش آتا ہے، غرض اس آیت پاک میں اس بات کی شہادت ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام بنی نوع انسان کے خیر خواہ اور خیر طلب تھے اور مسلمانوں پر خصوصیت کے ساتھ مہربان اور شفیق تھے، یہ آپ کے عملی اخلاق کے متعلق آسمانی شہادتیں ہیں۔

قرآن پاک اسلام کے احکام اور آنحضرت صلعم کی زبان مبارک سے جو تعلیمات انسانوں کو پہنچائی گئیں ان کا مجموعہ ہے بحیثیت ایک عملی پیغمبر کے آنحضرت صلعم کی سیرت مبارک درحقیقت قرآن پاک کی عملی تفسیر ہے جو حکم آپ پر اتارا گیا آپ نے خود اس کو کر کے بتا دیا ایمان، توحید، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، صدقہ اور خیرات، جہاد، ایثار، قربانی، عزم استقلال، صبر، شکر ان کے علاوہ اور حسن عمل اور حسن خلق کی باتیں جسقدر آپنے فرمایا ان کیلئے سب سے پہلے آپ نے اپنا نمونہ پیش فرمایا، جو کچھ قرآن میں تھا وہ سب مجسم ہو کر آپ کی زندگی میں نظر آیا، چند صحابی حضرت عائشہ رضؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا ام المؤمنین رضؓ حضورؐ کے اخلاق اور معمولات بیان فرمائیے، ام المؤمنین جواب میں کہتی ہیں، کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا ہے؟ کان خلق رسول اللہ صلعم القرآن (ابو داؤد) قرآن الفاظ و عبادت ہے اور رسول اللہ صلعم کی سیرت اس کی عملی تفسیر

انسان کے اخلاق، عادات و اعمال کا بیوی سے بڑھ کر کوئی واقف کار نہیں ہو سکتا آنحضرت صلعم نے جب نبوت کا دعویٰ کیا تو اس وقت حضرت خدیجہ پندرہ سال برابر آپ کی معیت میں رہ چکی تھیں اور یہ مدت اتنی بڑی ہے کہ جس میں ایک انسان دوسرے کے عادات اور خصائل اور طریقہ سے اچھی طرح واقف ہو سکتا ہے، اس واقفیت کا اثر حضرت خدیجہ رضؓ پر پڑتا ہے کہ ادھر آپ کی زبان سے اپنی نبوت کی خبر نکلتی ہے اور ادھر حضرت خدیجہ رضؓ کا دل اس کی تصدیق پر آمادہ ہو جاتا ہے، آنحضرت صلعم جب نبوت کے بار گراں سے گھبراتے ہیں تو حضرت خدیجہ رضؓ تسکین دیتی ہیں کہ "یا رسول اللہ صلعم! خدا آپ کو ہرگز نہیں چھوڑے گا، کیونکہ آپ قرابت والوں کا حق پورا کرتے ہیں، مقروضوں کا قرض ادا کرتے ہیں غریبوں کی مدد کرتے ہیں، مہمانوں کی خاطر تواضع کرتے ہیں، حق کی طرفداری

کرتے ہیں، مصیبتوں میں آپ لوگوں کے کام آتے ہیں (بخاری) غور کیجئے یہ آپ کی وہ عملی مثالیں ہیں جو نبوت کے ظاہر ہونے سے پہلے آپ میں موجود تھیں۔

آنحضرت صلعم کی تمام بیویوں میں سے حضرت خدیجہؓ کے بعد سب سے زیادہ محبوب حضرت عائشہؓ تھیں، حضرت عائشہؓ نو برس متصل آپ کی صحبت میں رہیں وہ گواہی دیتی ہیں کہ حضورؐ کی عادت کسی کو برا بھلا کہنے کی نہیں تھی، برائی کے بدلہ میں برائی نہیں کرتے تھے، بلکہ چھوڑ دیتے تھے اور معاف کر دیتے تھے، آپ گناہ کی باتوں سے کوسوں دور رہتے تھے، آپؐ نے کسی سے اپنا ذاتی انتقام اور بدلہ نہیں لیا، آپ نے کبھی کسی غلام، لونڈی عورت یا خادم کو یہانتک کہ کسی جانور تک کو کبھی نہیں مارا، آپؐ نے کبھی کسی کی جائز درخواست اور فرمائش کو رد نہیں فرمایا، رشتہ داروں میں حضرت علیؓ سے بڑھ کر کوئی آپ کے دن رات کے حالات اور اخلاق سے واقف نہ تھا، وہ بچپن سے جوانی تک آنحضرت صلعم کی خدمت میں رہے تھے وہ گواہی دیتے ہیں کہ آپ ہنس مکھ طبیعت کے نرم اور اخلاق کے نیک تھے طبیعت میں مہربانی تھی سخت مزاج نہ تھے، کوئی برا کلمہ کبھی منہ سے نہیں نکالتے تھے، لوگوں کے عیب اور کمزوریوں کو نہیں ڈھونڈھا کرتے تھے کسی کی کوئی فرمائش اگر مزاج کے خلاف ہوتی تو خاموش رہ جاتے، نہ اس کو صاف جواب دیکر مایوس کر دیتے اور نہ اپنی منظوری ظاہر فرماتے تھے، واقفکار اس انداز خاص سے سمجھ جاتے کہ آپ کا منشا کیا ہے، یہ اس لئے تھا کہ آپ کسی کا دل توڑنا نہیں چاہتے تھے دل شکنی نہیں کرتے تھے بلکہ دلوں پر مرہم رکھتے تھے کہ آپ رؤف و رحیم تھے۔

حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ آپ نہایت فیاض، بہت بڑے سخی، راست گو، نہایت نرم طبع تھے، لوگ آپ کی صحبت میں بیٹھتے تو خوش ہو جاتے، آپ کو پہلی دفعہ جو دیکھتا

وہ دیکھ کر مرعوب ہو جاتا لیکن جیسے جیسے وہ آپ سے ملتا جاتا آپ سے محبت کرنے لگتا (ترمذی)
آپ کی سیرت پڑھ کر بعینہ یہی خیال انگلینڈ کے سب سے مشہور مورخ گبن نے ظاہر کئے
ہیں، وہ کہتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوتیلے فرزند یعنی حضرت خدیجہ رض کے پہلے
شوہر سے صاحبزادہ حضرت ہند جو گویا آپ کے پروردہ تھے گواہی دیتے ہیں کہ آپ کی
طبیعت میں نرمی تھی، سخت مزاج نہ تھے، کسی کا دل نہیں دکھاتے تھے، کسی کے عزت
کے خلاف کوئی بات نہیں کہتے تھے۔ کھانا جس قسم کا سامنے آتا کھا لیتے، اس کو برا نہ
کہتے، آپ اپنے ذاتی معاملہ میں کبھی غصہ نہ آتا، اور نہ کسی سے انتقام لیتے اور نہ
کسی کی دل شکنی گوارہ کرتے، لیکن اگر کوئی کسی حق بات کی مخالفت کرتا تو اس کی
حمایت اور طرفداری میں آپ کو غصہ آجاتا، اور اس حق کی آپ پوری حمایت فرماتے
تھے (شمائل)

یہ ان لوگوں کی شہادتیں آپ کے حق میں ہیں جو آپ سے زیادہ واقف تھے
اس سے یہ معلوم ہوگا کہ آپ کی سیرت مبارک کی عملی حیثیت کیا تھی کہ آپ نے بحیثیت
ایک پیغمبر کے اپنے پیروؤں کو جو حکم دیا سب سے پہلے خود اس پر عمل کر کے ان کو دکھایا
آپ نے لوگوں کو خدا کی یاد اور محبت کی نصیحت کی، صحابہ کی زندگی میں اس تلقین کا جو
اثر نمایاں ہوا وہ تو الگ چیز ہے خود آپ کی زندگی کہاں تک اس کے مطابق تھی، اس
پر غور کرو شب و روز میں کوئی ایسا لمحہ نہ تھا جب محبت کا دل خدا کی یاد سے اور آپ
کی زبان خدا کے ذکر سے خالی ہو، اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے، کھاتے پیتے، سوتے جاگتے،
پہنتے اوڑھتے ہر حالت میں اور ہر وقت خدا کا ذکر اور اس کی حمد زبان مبارک پر

جاری رہتی، آج حدیث کی کتابوں کا ایک کثیر حصہ انہیں دعاؤں اور مبارک کلمات کے بیان میں ہے جو مختلف حالات اور مختلف وقتوں کی مناسبت سے آپ کی زبان فیض اثر سے ادا ہوئیں، حصن حصین دو سو صفحوں کی کتاب صرف ان دعاؤں اور کلمات کا مجموعہ ہے جن کے فقرہ فقرہ سے خدا کی محبت، عظمت، جلالت اور خشیت نمایاں ہے اور جن سے ہر وقت زبان اقدس تر رہتی، قرآن نے اچھے بندوں کی یہ تعریف کی ہے اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِہِمْ (جو اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے ہر وقت خدا کی یاد میں مصروف رہتے ہیں)

یہی آپ کی زندگی کا نقشہ تھا، چنانچہ حضرت عائشہ رض کہتی ہیں، آپ ہر وقت اور ہر لمحہ خدا کی یاد میں مصروف رہتے تھے۔

آپ نے لوگوں کو نماز کا حکم دیا، مگر خود آپ کا حال کیا تھا، عام پیرؤں کو تو پانچ وقتوں کی نماز کا حکم تھا، مگر خود آپ آٹھ وقت نماز پڑھتے تھے طلوع آفتاب کے بعد اشراق، کچھ اور دن اٹھنے پر چاشت، پھر ظہر، عصر، مغرب پھر عشاء پھر تہجد پھر صبح، عام مسلمانوں پر تو صبح کی دو رکعتیں، مغرب کی تین، اور بقیہ اوقات میں چار چار رکعتیں فرض ہیں، گویا کل شب وروز میں سترہ رکعتیں مگر آنحضرت صلعم ہر روز کم وبیش پچاس ساٹھ رکعتیں ادا فرمایا کرتے تھے پنجوقتہ نماز کی فرضیت کے بعد تہجد کی نماز تمام مسلمانوں سے معاف ہو گئی تھی مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسکو بھی تمام عمر ہر شب ادا فرماتے رہے، اور پھر کیسی نماز، رات رات بھر کھڑے کھڑے رہ جاتے، کھڑے کھڑے پائے مبارک میں ورم آجاتا، حضرت عائشہ رض عرض کرتیں اللہ نے آپ کو ہر طرح معاف کر دیا ہے، پھر اس قدر کیوں تکلیف اٹھاتے ہیں، فرماتے اے عائشہ کیا میں

خدا کا شکر گذار بندہ نہ بنوں، یعنی یہ نماز خشیتہ الٰہی سے نہیں ہے بلکہ محبت الٰہی اسکا منشا ہے، رکوع میں اتنی دیر جھکے رہتے کہ دیکھنے والے کہتے کہ شاید آپ سجدہ کرنا بھول گئے

نبوت کے آغاز ہی سے نماز پڑھتے تھے اور کفار آپ کے سخت دشمن تھے، مگر باایں ہمہ علین حرم میں جا کر سب کے سامنے نماز پڑھتے تھے کئی دفعہ نماز کی حالت میں دشمنوں نے آپ پر حملہ کیا، مگر اس پر بھی خدا کی یاد سے باز نہ آئے، سب سے سخت موقع نماز کا وہ تھا جب کفار کی فوجیں مقابل ہوتیں، تیر و خنجر چلتے ہوتے اور ادھر نماز کا وقت آیا اور صفیں درست ہو گئیں، بدر کے معرکہ میں تمام مسلمان دشمنوں کے مقابل میں تھے، مگر خود ذات اقدس خدا کے آگے سجدہ میں جھکی ہوئی تھی، تمام عمر کبھی نماز اپنے وقت سے نہیں ہٹی اور نہ دو وقتوں کے علاوہ کبھی کسی وقت کی قضا ہوئی، ایک غزوہ خندق میں کافروں نے عصر کی نماز کا موقع نہیں دیا اور ایک دفعہ اور کسی غزوہ کے سفر میں، رات بھر چل کر صبح کو تمام لوگ سو گئے تو آپ نے بعد کو نماز قضاء ادا کی اس سے زیادہ یہ کہ مرض الموت میں شدت کا بخار ہے، سخت تکلیف ہے مگر نماز حتی کہ جماعت بھی ترک نہ ہوئی، قوت جواب دے چکی ہے مگر دو صحابیوں کے کندھوں پر سہارا دیکر مسجد تشریف لاتے ہیں، انتقال سے صرف تین دن پہلے جب آپ نے اٹھنے کا قصد کیا تو غشی طاری ہوئی اور یہی حالت تین دفعہ پیش آئی اس وقت نماز با جماعت ترک ہوئی، یہ تھا خدا کی عبادت گذاری اور یاد عملی کا نمونہ۔

آپ نے روزہ کا حکم دیا، عام مسلمانوں پر سال میں تیس دن کے روزے فرض ہیں، مگر خود آپ کیا کیفیت تھی کوئی ہفتہ اور کوئی مہینہ روزوں سے خالی نہ تھا، حضرت عائشہ رض کہتی ہیں، جب آپ روزے رکھنے پر آتے تو معلوم ہوتا تھا کہ آپ

کبھی افطار نہ کریں گے، آپ نے مسلمانوں کو دن بھر سے زیادہ روزہ رکھنے کی ممانعت فرمائی، مگر خود آپ کا یہ حال تھا کہ کبھی کبھی دو دو تین تین دن بیچ میں کچھ کھائے پیئے بغیر متصل روزہ رکھتے تھے اور اس عرصہ میں ایک دانہ بھی منہ پر نہ رکھتے، دوسرے اس کی تقلید کرنا چاہتے تو فرماتے تم میں سے کون میرے مانند ہے مجھ کو تو میرا آقا کھلاتا پلاتا ہے، سال میں دو مہینے شعبان اور رمضان پورے روزے سے گذرتے تھے ہر مہینہ میں چاندراتوں کو روزہ رکھتے، محرم کے دس دن اور شوال کے چھ دن روزوں میں گذرتے، ہفتہ میں دوشنبہ اور جمعرات کا دن روزوں میں گذرتا۔

یہ تھا روزوں کے متعلق آپ کا عملی نقشۂ زندگی۔

آپ نے لوگوں کو زکوٰۃ وخیرات کا حکم دیا تو پہلے خود اس پر عمل کر کے دکھایا حضرت خدیجہؓ کی شہادت تم سن چکے ہو کہ انہوں نے کہا، یا رسول اللہؐ آپ قرضداروں کا قرض ادا کرتے ہیں، غریبوں اور مصیبت زدوں کی مدد کرتے ہیں، گو آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم سب کچھ چھوڑ کر پیچھے آؤ، اور نہ گھربار سب لٹادینے کا حکم فرمایا اور نہ آسمان کا دروازہ دولت مندوں پر بند کیا، دوسروں کو صرف یہ حکم دیا کہ اپنی کمائی میں سے کچھ دوسروں کو دیکر خدا کا بھی حق ادا کرو وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ مگر خود آپ کا عمل یہ رہا کہ جو کچھ آیا خدا کی راہ میں خرچ ہو گیا، غزوات وفتوحات سے مال واسباب کی کمی نہ تھی، مگر وہ سب غیروں کے لئے تھا اپنے لئے کچھ نہ تھا، فتح خیبر کے بعد یعنی ۷ھ سے یہ معمول تھا کہ سال بھر کے خرچ کیلئے تمام ازواج مطہراتؓ کو غلہ تقسیم کر دیا جاتا تھا، مگر سال تمام بھی نہیں ہونے پاتا تھا کہ غلہ تمام ہو جاتا تھا اور فاقہ پر فاقہ شروع ہو جاتا تھا، کیونکہ غلہ کا بڑا حصہ اہل حاجت کے نذر کر دیا جاتا تھا، حضرت ابن عباسؓ

کہتے ہیں کہ آپ تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور سب سے زیادہ سخاوت آپ رمضان المبارک میں فرماتے تھے، تمام عمر میں کسی سوال کے جواب میں "نہیں" کا لفظ نہیں فرمایا کبھی کوئی چیز تنہا نہیں کھاتے، کتنی ہی تھوڑی چیز ہوتی، مگر آپ سب حاضرین کو اس میں شریک کر لیتے، لوگوں کو عام حکم تھا کہ جو مسلمان قرض چھوڑ کر مر جائے اس کی مجھے اطلاع دو کہ اس کا قرض میں ادا کر دوں گا، اور اس نے ترکہ چھوڑا ہو تو اس کے حقدار اس کے وارث ہوں گے، ایک دفعہ ایک بدو نے آکر کہا "اے محمدؐ! یہ مال نہ تیرا ہے اور نہ تیرے باپ کا ہے میرے اونٹ کو لاد دے"، آپ نے اس کے اونٹ کو جو اور کھجور دوں سے لدوا دیا اور اس کے کہنے کو برا نہ مانا، خود فرمایا کرتے انما انا قاسم وخازن واللہ یعطی (میں تو بانٹنے والا اور خزانچی کی حیثیت رکھتا ہوں اصل دینے والا تو خدا ہے) حضرت ابو ذرؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ رات کو میں آپ کے ساتھ ایک راستے سے گذر رہا تھا راہ میں آپ نے فرمایا، ابو ذرؓ اگر احد کا پہاڑ میرے لئے ہو جائے تو بھی میں پسند نہیں کروں گا کہ تین راتیں گذر جائیں اور اس میں سے ایک دینار بھی میرے پاس رہ جائے، الا یہ کہ کسی قرض کے ادا کرنے کیلئے کچھ رکھ چھوڑوں، دوستو! یہ محمد رسول اللہؐ کے صرف خوشنما الفاظ نہ تھے، بلکہ یہ آپ کے عزم صادق کا اظہار تھا اور اسی پر آپ کا عمل تھا بحرین سے ایک دفعہ خراج کا لدا ہوا خزانہ آیا، فرمایا صحن مسجد میں ڈال دیا جائے صبح نماز کیلئے آپ تشریف لائے، تو لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے خزانہ کے انبار کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا، نماز کے بعد ڈھیر کے پاس بیٹھ گئے اور تقسیم کرنا شروع کر دیا، جب سب ختم ہو گیا تو دامن جھاڑ کر اس طرح کھڑے ہو گئے کہ گویا کوئی غبار تھا جو دامن مبارک پر پڑ گیا تھا۔ ایک دفعہ فدک سے چار اونٹ پر غلہ لد کر آیا، کچھ قرض تھا وہ ادا کیا

گیا، کچھ لوگوں کو دیا گیا، حضرت بلالؓ سے دریافت کیا کچھ بچ تو نہیں رہا، عرض کی اب کوئی لینے والا نہیں اس لئے بچ رہا ہے، فرمایا جب تک وہ دنیا کا مال باقی ہے، میں گھر میں نہیں جا سکتا، چنانچہ رات مسجد میں بسر کی، صبح کو حضرت بلالؓ نے آکر بشارت دی کہ یارسول اللہ ﷺ خدا نے آپ کو سبکدوش کر دیا، یعنی جو کچھ تھا وہ تقسیم ہو گیا، آپ نے خدا کا شکر ادا کیا، ایک دفعہ عصر کی نماز کے بعد خلاف معمول فوراً اندر تشریف لے گئے اور پھر باہر آگئے، لوگوں کو تعجب ہوا، فرمایا مجھ کو نماز میں یاد آیا کہ سونے کا چھوٹا سا ٹکڑا گھر میں پڑا رہ گیا ہے، خیال ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ رات آجائے اور وہ گھر میں پڑا رہ جائے، ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک دفعہ آپ ملول اور رنجیدہ اندر تشریف لائے، میں نے سبب دریافت کیا، فرمایا ام سلمہؓ! کل جو سات دینار آئے تھے شام ہو گئی اور وہ بستر پر پڑے رہ گئے، اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ آپ مرض الموت میں ہیں، بیماری کی سخت تکلیف ہے نہایت ہی بے چینی ہے، لیکن اسی وقت یاد آتا ہے کہ کچھ اشرفیاں گھر میں پڑی ہیں حکم ہوتا ہے کہ انہیں خیرات کر دو، کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے رب سے اس طرح ملے گا کہ اس کے پیچھے اس کے گھر میں اشرفیاں پڑی ہوں،

یہ تھی اس باب میں آپ کی زندگی کی عملی مثال۔

آپ نے زہد و قناعت کی تعلیم دی، ساتھ ہی اس راہ میں آپ کا طرز عمل کیا تھا سن چکے کہ عرب کے گوشہ گوشہ سے جزیہ، خراج، عشر، اور زکوٰۃ وصدقات کے خزانے لدے چلے آتے تھے، مگر شہنشاہ عرب کے گھر میں وہی فقر تھا وہی فاقہ تھا آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد حضرت عائشہؓ کہا کرتی تھیں کہ حضورؐ اس دنیا سے تشریف لے گئے مگر دو وقت بھی سیر ہو کر آپ کو کھانا نصیب نہ ہوا، وہی بیان کرتی ہیں کہ جب

آپ نے وفات پائی تو گھر میں اس دن کھانے کے لئے تھوڑے سے جو کے سوا کچھ موجود نہ تھا، اور چند سیر جو کے بدلہ میں آپ کی زرہ ایک یہودی کے یہاں رہن تھی، آپ فرمایا کرتے تھے کہ فرزند آدم کو ان چیزوں کے سوا اور کسی چیز کا حق نہیں رہنے کو ایک جھونپڑا، تن ڈھانکنے کو ایک کپڑا، پیٹ بھرنے کو روکھی سوکھی روٹی اور پانی زہر بندی یہ محض الفاظ کی نصیحت نہ تھی، بلکہ یہی آپ کی طرز زندگی کا نقشہ تھا، رہنے کا مکان ایک حجرہ تھا جس میں کچی دیوار اور کھجوروں کے پتوں اور اونٹ کے بالوں کی چھت تھی، حضرت عائشہ رضی کہتی ہیں آپ کا کپڑا کبھی تہہ کر کے نہیں رکھا جاتا تھا یعنی جو بدن مبارک پر کپڑا ہوتا تھا، اس کے سوا کوئی اور کپڑا ہی نہیں ہوتا تھا جو تہہ کیا جاتا ایک دفعہ ایک سائل خدمت اقدس میں آیا اور بیان کیا کہ سخت بھوکا ہوں آپ نے ازواج مطہرات رض کو کہلا بھیجا کہ کچھ کھانے کو ہو تو بھیجدو، ہر جگہ سے یہی جواب آیا کہ گھر میں پانی کے سوا کچھ نہیں، ابو طلحہ رض کہتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلعم کو دیکھا کہ مسجد میں زمین پر لیٹے ہیں اور بھوک سے ادھر ادھر کروٹیں بدل رہے ہیں ایک دفعہ صحابہ نے آپ کی خدمت میں فاقہ کشی کی شکایت کی اور پیٹ کھول کر دکھایا کہ ان پر ایک پتھر بندھا ہے آپ نے شکم مبارک کھولا تو ایک کے بجائے دو پتھر بندھے تھے یعنی دو دن سے فاقہ تھا، اکثر بھوک کی وجہ سے آواز میں کمزوری اور نقاہت آجاتی تھی، ایک دن دولت خانہ سے نکلے تو بھوکے تھے، حضرت ابو ایوب انصاری کے گھر تشریف لے گئے وہ نخلستان سے کھجور توڑ لائے اور کھانے کا سامان کیا، کھانا جب سامنے آیا تو آپ نے ایک روٹی پر تھوڑا سا گوشت رکھ کر فرمایا کہ فاطمہ رض کو بھجوا دو کئی دن سے اس کو کھانا نصیب ہوا ہے۔

آپ کو اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ اور حسنؓ وحسینؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بڑی محبت تھی، مگر یہ محبت شہنشاہ عرب نے بیش قیمت کپڑوں اور چاندی کے زیوروں کے ذریعہ سے ظاہر نہیں فرمائی، ایک دفعہ حضرت علیؓ کا دیا ہوا ایک سونے کا ہار حضرت فاطمہؓ کے گلے میں دیکھا فرمایا، اے فاطمہ! تم کیا لوگوں سے یہ کہلوانا چاہتی ہو کہ محمدؐ کی بیٹی گلے میں آگ کا طوق ڈالے ہے، حضرت فاطمہ نے اسی وقت ہار اتار کر بیچ ڈالا اور اس کی قیمت سے ایک غلام خرید کر آزاد کیا، اسی طرح ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے سونے کے کنگن پہنے تو اتروا دیئے کہ محمدؐ کی بیوی کو یہ زیبا نہیں، فرماتے ہیں کہ انسان کے لئے دنیا میں اتنا ہی کافی ہے جس قدر مسافر کو زاد راہ، یہ قول تھا اور عمل یہ تھا کہ ایک دفعہ چند جاں نثار ملنے آئے تو دیکھا کہ پہلو میں چٹائی کے نشان پڑ گئے ہیں، عرض کی یا رسول اللہؐ ہم لوگ ایک نرم گدا بنا کر حاضر کرنا چاہتے ہیں، فرمایا مجھ کو دنیا سے کیا غرض، مجھ کو دنیا سے اس قدر تعلق ہے جس قدر اس سوار کو جو راستہ چلتے تھوڑی دیر کے لئے کسی سایہ میں آرام کرتا ہے اور پھر آگے بڑھ جاتا ہے ۹ھ میں جب اسلام کی حکومت یمن سے شام تک پھیلی ہوئی تھی، آپ کے توشہ خانہ کی مالیت یہ تھی جسم مبارک پر ایک تہبند ایک کھری چارپائی، سرہانے ایک تکیہ جس میں خرمے کی چھال بھری تھی ایک طرف تھوڑے جو ایک کونے میں ایک جانور کی کھال، کھونٹی میں پانی کے مشکیزے یہ تھا زہد وقناعت کی تعلیم کے ساتھ ان پر آپ کا عمل۔

دوستو! ایثار کا وعظ کہنے والوں کو تم نے بہت دیکھا ہوگا، مگر کیا کسی ایثار کے وعظ کہنے والے کے صحیفۂ سیرت میں اس کی مثال بھی دیکھی ہے اس کی مثال مدینہ کی گلیوں میں ملے گی، آپ نے لوگوں کو ایثار کی تعلیم دی تو ساتھ ہی ان کے سامنے اپنا نمونہ پیش

کیا، حضرت فاطمہؓ سے آپ کو جو محبت تھی وہ ظاہر ہے مگر انہیں حضرت فاطمہؓ کی عسرت اور تنگدستی کا یہ عالم تھا کہ چکی پیستے پیستے ہتھیلیاں گھس گئی تھیں اور مشک میں پانی بھر بھر لانے سے سینہ پر نیل کے داغ پڑ گئے تھے، ایک دن حاضر ہو کر پدر بزرگوار سے ایک خادمہ کی خواہش ظاہر کی ارشاد ہوا، اے فاطمہ! اب تک صفہ کے غریبوں کا انتظام نہیں ہوا تو تمہاری درخواست کیسے پوری ہو، ایک دفعہ آپ کے پاس چادر نہ تھی، ایک صحابیہؓ نے لاکر پیش کی، اسی وقت ایک صاحب نے کہا کیسی اچھی چادر ہے آپ نے فوراً اتار کر ان کے نذر کر دی، ایک صحابی کے گھر کوئی تقریب تھی، مگر کوئی سامان نہ تھا ان سے کہا، عائشہؓ کے پاس جا کر آٹے کی ٹوکری مانگ لاؤ۔ وہ گئے اور جا کر لے آئے حالانکہ آپ کے گھر میں اس آٹے کے سوا رات کے کھانے کو کچھ نہ تھا، ایکدن صفہ کے غریبوں کو لے کر حضرت عائشہؓ کے گھر تشریف لائے اور فرمایا جو کچھ کھانے کو ہو لاؤ، چونی کا پکا ہوا کھانا حاضر ہو گیا وہ کافی نہ ہوا، کوئی اور چیز طلب کی، تو چھوہارے کا حریرہ پیش ہوا پھر پیالہ میں دودھ آیا، مگر یہی سامان مہمانی کی آخری قسط تھی۔

یہ تھا ایثار اور اس پر عمل۔

خدا پر اعتماد، توکل اور بھروسہ کی شان دیکھنا ہو تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں دیکھو حکم تھا کہ واصبر کما صبر اولو العزم من الرسل جس طرح اولو العزم پیغمبروں نے صبر و استقلال دکھایا تو بھی دکھا، آپ نے وہی کر کے دکھا دیا آپ ایک ایسی جاہل اور ان پڑھ قوم میں پیدا ہوئے جو اپنے معتقدات کے خلاف ایک لفظ بھی نہ سن سکتی، اور اس کے لئے مرنے مارنے پر تیار ہو جاتی تھی، مگر آپ نے اس کی کبھی پروا نہ کی، عین حرم میں جا کر خدائے واحد کی آواز بلند کرتے تھے اور وہاں

سب کے سامنے نماز ادا کرتے تھے، حرم محترم کا صحن قریش کے رئیسوں کی نشست گاہ تھی، ان کے سامنے کھڑے ہو کر رکوع وسجود کرتے تھے، جب آیت فاصدع بما تومر (اے محمد! جو تم کو حکم دیا جاتا ہے اس کو علی الاعلان سنا دو) نازل ہوئی تھی تو آپ نے کوہ صفا پر کھڑے ہو کر تمام قریش کو پکارا اور خدائے برحق کا حکم پہنچایا، قریش نے آپ کے ساتھ کیا کیا نہ کیا! کس کس طرح اذیتیں نہیں پہنچائیں، جسم مبارک پر صحن حرم کے اندر نجاست ڈالی، گلے میں چادر ڈال کر پھانسی کی کوشش کی، راستہ میں کانٹے بچھائے مگر راہ حق سے آپ کے قدم کو لغزش نہ ہوتی تھی نہ ہوئی، ابوطالب نے جب آپ کی حمایت سے ہاتھ اٹھا لینے کا اشارہ کیا تو کس جوش اور ولولہ سے فرمایا کہ "چچا جان! اگر قریش میرے داہنے ہاتھ پر آفتاب اور بائیں ہاتھ پر ماہتاب رکھ دیں تو بھی میں اس فرض سے باز نہ آؤں گا، آخر آپ کو بنی ہاشم کے پہاڑی درہ میں تین سال تک گویا قید رکھا گیا آپ کا اور آپکے خاندان کا مقاطعہ کیا گیا، اندر غلہ جانے کی روک تھام کی گئی بچے بھوک سے بلبلاتے تھے، جو ان درخت کے پتے کھا کھا کر زندگی بسر کرتے تھے، آخر آپ کے قتل کی سازش ہوئی یہ سب کچھ ہوا مگر صبر و استقلال کا سررشتہ ہاتھ سے نہ چھوٹا ہجرت کے وقت غار ثور میں پناہ لیتے ہیں، کفار آپ کا پیچھا کرتے ہوئے غار کے منہ تک پہنچ جاتے ہیں، بے یار و مددگار (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اور مسلح قریش کے درمیان چند گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے، ابوبکر گھبرا اٹھتے ہیں کہ یا رسول اللہ ہم دو ہی ہیں، لیکن ایک تسکین سے بھری ہوئی آواز آتی ہے ابوبکر ہم دو نہیں تین ہیں لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا گھبراؤ نہیں، ہمارا خدا ہمارے ساتھ ہے، اسی ہجرت کے اثنائے راہ میں آنحضرت صلعم کی گرفتاری کے لئے سراقہ بن جعشم گھوڑا دوڑاتے ہوئے اور نیزہ ہاتھ میں لئے ہوئے

آپ کے پاس پہنچ جاتا ہے، حضرت ابوبکرؓ کہتے ہیں، یا رسول اللہ ہم پکڑے گئے، مگر وہاں محمد رسول اللہ ﷺ کے لب بدستور قرآن خوانی میں مصروف تھے اور دل کی سکینت کا وہی عالم تھا۔

مدینہ پہنچ کر یہود اور منافقین اور قریش کے غارت گروں کا ڈر تھا، لوگ آنحضرت صلعم کے مسکن کا راتوں کو پہرہ دیتے تھے کہ ایک دفعہ یہ آیت نازل ہوئی وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (یعنی خدا تجھ کو لوگوں سے بچائے گا) اسی وقت خیمہ سے سر باہر نکال کر پہرے کے سپاہیوں کو فرمایا، "لوگو واپس جاؤ مجھے چھوڑ دو کہ میری حفاظت کی ذمہ داری خود خدا نے لی ہے"

غزوہ نجد سے واپسی میں آپ ایک درخت کے نیچے آرام فرماتے ہیں صحابہؓ ادھر ادھر ہٹ گئے ہیں، ایک بدو تلوار کھینچ کر سامنے آتا ہے آپ بیدار ہوتے ہیں موقع کی نزاکت کو دیکھیں، بدو پوچھتا ہے بتاؤ اے محمدؐ اب کون تم کو میرے ہاتھوں سے بچا سکتا ہے، اطمینان اور تسکین سے بھری ہوئی آواز آئی کہ "اللہ" اس پُر اثر جواب نے دشمن کو متاثر کر دیا، اور اس نے تلوار نیام میں کر لی۔

بدر کا معرکہ ہے تین سو نہتے مسلمان ایک ہزار لوہے میں غرق قریشی لشکر سے نبرد آزما ہیں، مگر تین سو سپاہیوں کا سپہ سالار خود کہاں ہے؟ معرکہ کارزار سے الگ خدا کی بارگاہ میں دست بدعا ہے، کبھی پیشانی زمین پر ہوتی ہے اور کبھی ہاتھ آسمان کی جانب اٹھتے ہیں کہ خداوندا! اگر آج یہ چھوٹی سی جماعت صفحۂ عالم سے مٹ گئی تو پھر کوئی تیرا پرستار اس دنیا میں باقی نہ رہے گا، ایسے موقع بھی آئے ہیں کہ مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے ہیں، وہ پیچھے ہٹ گئے ہیں، مگر خدا کی نصرت اور مدد پر اعتماد کامل

اور بھروسہ رکھنے والا پہاڑ کی طرح اپنی جگہ پر قائم رہے، احد میں اکثر مسلمانوں نے قدم پیچھے ہٹالئے، مگر رسول اللہ صلعم اپنی جگہ پر تھے، پتھر کھائے، تیروں اور تلواروں اور نیزوں کے حملے ہو رہے تھے، خود کی کڑیاں سر مبارک میں دھنس گئی تھیں دندان مبارک شہید ہو چکے تھے، چہرہ اقدس زخمی ہو رہا تھا مگر اس وقت بھی اپنا ہاتھ لوہے کی تلوار پر نہیں رکھا، بلکہ خدا ہی نصرت پر بھروسہ اور اعتماد اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری کا اسی طرح یقین تھا، حنین کے میدان میں ایک دفعہ دس ہزار تیروں کا جب مینہ برسا تو تھوڑی دیر کے لئے مسلمان پیچھے ہٹ گئے مگر ذات اقدس اپنی جگہ پر تھی، ادھر ادھر سے تیروں کی بارش ہو رہی تھی اور ادھر سے انا النبی لاکذب انا ابن عبد المطلب (میں پیغمبر ہوں، جھوٹ نہیں ہے، میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں) کا نعرہ بلند تھا، سواری سے نیچے اتر آئے اور فرمایا میں خدا کا بندہ اور پیغمبر ہوں، اور پھر دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے، تم کو کسی اور ایسے سپہ سالار کا حال بھی معلوم ہے جس کی بہادری اور استقلال کا یہ عالم ہو کہ فوج کسی قدر کم ہو، کسی قدر غیر مسلح ہو، وہ اس کو چھوڑ کر پیچھے بھی کیوں نہ ہٹ گئی ہو، مگر وہ نہ اپنی جان بچانے کیلئے بھاگتا ہے اور نہ اپنی حفاظت کے لئے تلوار اٹھاتا ہے بلکہ ہر حال میں خود زمین کی طاقتوں سے غیر مسلح ہو کر آسمان کی طاقتوں سے مسلح ہونے کی درخواست کرتا ہے، اور دعا کرتا ہے، یہ تھی اس راہ میں آپ کی عملی مثال۔

تم نے دشمنوں سے پیار کرنے کا وعظ سنا ہو گا، لیکن اس کی عملی مثال نہیں دیکھی ہو گی، آؤ مدینہ کی سرکار میں، میں تم کو دکھاؤں، مکہ کے حالات چھوڑتا ہوں کہ میرے نزدیک مجکومی، بیکسی اور معذوری، عفو و درگذر اور رحم کے ہم معنی نہیں ہے

ہجرت کے وقت قریش کے رئیس یہ اشتہار دیتے ہیں کہ جو محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سر قلم کر کے لائے گا اس کو سو اونٹ انعام دیئے جائیں گے، سراقہ بن جعشم اس انعام کے لالچ میں مسلح ہو کر آپ کے تعاقب میں گھوڑا دوڑاتے ہیں، قریب پہنچ جاتے ہیں، حضرت ابوبکرؓ گھبرا جاتے ہیں، حضورؐ دعا کرتے ہیں، تین دفعہ گھوڑے کے پاؤں دھنس جاتے ہیں، سراقہ تیر کے پانسے نکال کر فال دیکھتے ہیں، ہر دفعہ جواب آتا ہے کہ ان کا پیچھا نہ کرو، نفسی یعنی سائیکالوجی کی حیثیت سے سراقہ مرعوب ہو چکتے ہیں، واپسی کا عزم کر لیتے ہیں حضورؐ کو آواز دیتے ہیں اور خط امان کی درخواست کرتے ہیں، کہ جب حضورؐ کو خدا قریش پر غالب کرے تو مجھ سے باز پرس نہ ہو، آپ یہ خط لکھوا کر ان کے حوالہ کرتے ہیں، فتح مکہ کے بعد وہ اسلام لاتے ہیں، تاہم آپ اپنے قاتل سے نہیں پوچھتے کہ سراقہ تمہارے جرم کی اب کیا سزا ہے،

ابوسفیان کون ہے؟ وہ جو بدر، احد، خندق وغیرہ لڑائیوں کا سرغنہ تھا جس نے کتنے مسلمانوں کو تہِ تیغ کرایا، جس نے کتنی دفعہ خود سرور دو عالمؐ کے قتل کا فیصلہ کیا، جو ہر قدم پر اسلام کا سخت ترین دشمن ثابت ہوا، لیکن فتح مکہ سے پہلے جب حضرت عباسؓ کے ساتھ آپ کے سامنے آتا ہے تو گو اس کا ہر جرم اس کے قتل کا مشورہ دیتا ہے، مگر رحمت عالمؐ کا عفو عام ابوسفیان کو کہتا ہے کہ ڈر کا مقام نہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ انتقام کے جذبے سے بالاتر ہیں، پھر حضورؐ نہ صرف اس کو معاف فرماتے ہیں بلکہ یہ فرماتے ہیں من دخل دار ابی سفیان کان امنا جو ابوسفیان کے گھر میں بھی پناہ گزیں ہوگا اس سے بے باز پرس نہ کی جائے گی اس کو بھی امن ہے۔

ہندہ ابوسفیان کی بیوی، وہ ہندہ جو احد کے معرکہ میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ گا گا کر قریش کے سپاہیوں کا دل بڑھاتی تھی، وہ جو حضرت حمزہؓ حضورؐ کے سب سے محبوب چچا اور اسلام کے ہیرو کی لاش کے ساتھ بے ادبی کرتی ہے، ان کے سینہ کو چاک کرتی ہے، ان کے کان ناک کاٹ کر ہار بناتی ہے، کلیجہ کو نکال کر چبانا چاہتی ہے، لڑائی کے بعد اس منظر کو دیکھ کر آپ بے تاب ہو جاتے ہیں، وہ فتح مکہ کے دن وہی نقاب پوش سامنے آتی ہے۔ اور یہاں بھی گستاخی سے باز نہیں آتی ہے، لیکن پھر بھی حضورؐ کچھ تعرض نہیں فرماتے اور یہ بھی نہیں پوچھتے کہ تم نے یہ کیوں کیا؟ عفو عام کی اس معجزانہ مثال دیکھ کر وہ پکار اٹھتی ہے "اے محمد! آج سے پہلے تمہارے خیمہ سے زیادہ کسی خیمہ سے مجھے نفرت نہ تھی لیکن آج تمہارے خیمہ سے زیادہ کسی کا خیمہ مجھے محبوب نہیں"۔

وحشی حضرت حمزہؓ کا قاتل فتح طائف کے بعد بھاگ کر کہیں اور جاتا ہے اور جب وہ مقام بھی فتح ہوتا ہے تو کوئی دوسری جگہ پناہ کی نہیں ملتی، لوگ کہتے ہیں، وحشی تم نے ابھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پہچانا نہیں، تمہارے لئے خود محمدؐ کے آستانہ سے بڑھ کر امن کی جگہ کوئی دوسری جگہ نہیں ہے، وحشی حاضر ہو جاتا ہے، حضور دیکھتے ہیں آنکھیں نیچی کر لیتے ہیں، پیارے چچا کی شہادت کا منظر سامنے آجاتا ہے، آنکھیں اشکبار ہوتی ہیں، قاتل سامنے موجود ہے، مگر صرف یہ ارشاد ہوتا ہے، وحشی جاؤ میرے سامنے نہ آیا کرو، کہ شہید چچا کی یاد آجاتی ہے۔

عکرمہؓ اسلام، مسلمانوں اور خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے دشمن جس نے آپ کو سب سے زیادہ تکلیفیں پہنچائیں، یعنی ابوجہل کے بیٹے تھے اور خود بھی اسلام کے خلاف لڑائیاں لڑ چکے تھے، مکہ جب فتح ہوا انہوں نے اپنے اور اپنے

خاندان کے تمام جرم یاد تھے وہ بھاگ کر یمن چلے گئے، ان کی بیوی مسلمان ہو چکی تھیں اور محمد رسول اللہ صلعم کو پہچان چکی تھیں، وہ خود بھی یمن گئیں اور عکرمہ رضی کو تسکین دی اور ان کو لے کر مدینہ آئیں، حضور کو ان کی آمد کی خبر ہوتی ہے تو ان کے خیر مقدم کیلئے اس تیزی سے اٹھتے ہیں کہ جسم مبارک پر چادر تک نہیں ہوتی اور جوشِ مسرت میں فرماتے ہیں مرحبا بالراکب المہاجر (اے مہاجر سوار تمہارا آنا مبارک) غور کرو یہ مبارکباد کس کو دی جا رہی ہے، یہ خوشی کس کے آنے پر ہے، یہ معافی نامہ کس کو دیا جا رہا ہے اس کو جس کے باپ نے آپ کو مکہ میں سب سے زیادہ تکلیفیں پہنچائیں جس نے آپ کے جسم مبارک پر نجاست ڈلوائی جس نے بحالت نماز آپ پر حملہ کرنا چاہا، جس نے آپ کے گلے میں چادر ڈال کر آپ کو پھانسی دینی چاہی، جس نے دار الندوہ میں آپ کے قتل کا مشورہ دیا، جس نے بدر کا معرکہ برپا کیا اور ہر قسم کی صلح کی تدبیر کو برہم کیا، آج اسی کی جسمانی یادگار کی آمد پر یہ مسرت اور ارشادانی ہے۔

ہبار بن اسود وہ شخص ہے جو ایک حیثیت سے حضرت صلعم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی کا قاتل ہے اور کئی شرارتوں کا مرتکب ہے، مکہ کی فتح کے موقع پر اس کا خون ہدر کیا جاتا ہے، چاہتا ہے کہ بھاگ کر ایران چلا جائے لیکن وہ سیدھا دربارِ دولت میں حاضر ہو جاتا ہے اور کہتا ہے،، یا رسول اللہ صلعم میں بھاگ کر ایران چلا جانا چاہتا تھا لیکن پھر مجھے حضور صلعم کے رحم و کرم اور عفو و حلم کے قصے یاد آئے میں حاضر ہوں، میرے جرم کی جو اطلاعیں آپ کو ملی ہیں وہ درست ہیں، یہ سننا تھا کہ آپ کی رحمت کا دروازہ کھل جاتا ہے اور دوست و دشمن کی تمیز اٹھ جاتی ہے۔

عمیر بن وہب بدر کے بعد ایک قریشی رئیس کی سازش سے اپنی تلوار زہر میں

بجا کر مدینہ آتے ہیں اور آنحضرت کی تاک کرنا چاہتے ہیں، کہ نعوذ باللہ آپ کا کام تمام کر دیں کہ ناگاہ وہ گرفتار ہو جاتے ہیں، آپ کے پاس لائے جاتے ہیں، ان کا گناہ ثابت ہو جاتا ہے، مگر وہ رہا کئے جاتے ہیں، صفوان بن امیہ یعنی وہ رئیس جس نے عمیر کو آپ کے قتل کے لئے بھیجا تھا اور جس نے عمیر سے وعدہ کیا تھا کہ اگر تم اس مہم میں مارے گئے تو تمہارے اہل و عیال اور قرض کا میں ذمہ دار ہوں، فتح مکہ کے بعد وہ ڈر کر جدہ چلے گئے کہ سمندر کے راستے سے یمن چلے جائیں، وہی عمیر خدمت نبوی میں آ کر عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ! صفوان اپنے قبیلہ کا رئیس ڈر سے بھاگ گیا ہے کہ اپنے کو سمندر میں ڈال دے، ارشاد ہوتا ہے اس کو امان ہے، دوبارہ گذارش کی کہ اس امان کی کوئی نشانی مرحمت ہو کہ اس کو یقین آئے، اپنا عمامہ اتار کر دیتے ہیں، عمیر یہ عمامہ لے کر صفوان کے پاس آتے ہیں، صفوان کہتا ہے مجھے محمدؐ کے پاس جانے میں اپنی جان کا خوف ہے، وہ عمیر جو زہر میں تلوار بجھا کر محمد رسول اللہ کو مارنے گئے تھے صفوان کو کہتے ہیں، اے صفوان ابھی تم کو محمدؐ کے حلم اور عفو کا حال معلوم نہیں، صفوان حاضر ہوتا ہے، اور کہتا ہے کہ مجھ سے کہا گیا ہے کہ تم نے مجھے امان دیدی ہے کیا یہ سچ ہے؟ ارشاد ہوتا ہے، سچ ہے، پھر کہتا ہے، لیکن تمہارا دین ابھی قبول نہیں کروں گا، مجھے دو مہینے کی مہلت دو، فرمایا نہیں دو نہیں چار مہینے کی مہلت ہے یہ مہلت ختم بھی نہیں ہونے پائی کہ دفعتہً اس کے قلب کی حالت بدل جاتی ہے اور وہ مسلمان ہو جاتا ہے، آپ خیبر جاتے ہیں جو یہودی قوت کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ لڑائیاں ہوتی ہیں، شہر مفتوح ہوتا ہے، ایک یہودیہ دعوت کرتی ہے، آپ بلا پس و پیش منظور فرماتے ہیں، یہودیہ گوشت پیش کرتی ہے، اس میں زہر ملا ہوتا ہے

آپ گوشت کا ٹکڑا منہ میں رکھتے ہیں کہ آپ کو اطلاع ہو جاتی ہے، یہودیہ بلائی جاتی ہے وہ اپنے قصور کا اعتراف کرتی ہے، لیکن رحمت عالمؐ کے دربار سے اس کو کوئی سزا نہیں ملتی، حالانکہ اس زہر کا اثر آپ کو اس کے بعد عمر بھر رہا۔

غزوہ نجد سے واپسی کے وقت آپ تنہا ایک درخت کے نیچے آرام فرما رہے ہیں دوپہر کا وقت ہے آپؐ کی تلوار درخت سے لٹک رہی ہے، صحابہؓ ادھر ادھر درختوں کے سایہ میں بیٹھے ہیں، کوئی پاس نہیں، ایک بدو اسی تاک میں ہوتا ہے وہ سیدھا آپ کے پاس آتا ہے، درخت سے آپکی تلوار اتارتا ہے، نیام سے باہر کھینچتا ہے کہ آپ کی آنکھ کھل جاتی ہے تلوار ہلا کر پوچھتا ہے، "محمد، بتاؤ اب کون تم کو مجھ سے بچا سکتا ہے ایک پر اطمینان صدا آتی ہے کہ "اللہ"، اس غیر متوقع جواب کو سن کر وہ مرعوب ہو جاتا ہے، تلوار نیام میں کر لیتا ہے، صحابہؓ آجاتے ہیں بدو بیٹھ جاتا ہے اور آپ اس سے کوئی تعرض نہیں فرماتے، ایک دفعہ اور ایک کافر گرفتار ہو کر آتا ہے کہ یہ آپکے قتل کی گھات میں تھا، آپ کے سامنے آتا ہے تو آپ کو دیکھ کر ڈر جاتا ہے، آپ اس کو تسلی دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر تم قتل کرنا چاہتے بھی تو نہیں کر سکتے تھے، غزوہ مکہ میں اسی آدمیوں کا دستہ گرفتار ہوا جو جبل تنعیم سے اتر کر آپ کو قتل کرنا چاہتا تھا آپ کو خبر ہوئی تو فرمایا ان کو چھوڑ دو۔

دوستو! طائف کو جانتے ہو، وہ طائف جس نے مکہ کے عہد ستم میں آپ کو پناہ نہیں دی، جس نے آپ کی بات بھی سننی نہیں چاہی، جہاں کے رئیس عبد یالیل کے خاندان نے آپ سے استہزا کیا، بازاریوں کو اشارہ کیا کہ وہ آپ کی ہنسی اڑائیں، شہر کے اوباش ہر طرف سے ٹوٹ پڑے اور دورویہ کھڑے ہو گئے، اور جب آپ بیچ

سے گذرے تو دونوں طرف سے پتھر برسائے، یہاں تک کہ پائے مبارک زخمی ہو گئے دونوں جوتیاں خون سے بھر گئیں، جب آپ تھک کر بیٹھ جاتے تو شریر آپ کا بازو پکڑ کر اٹھا دیتے جب آپ چلنے لگتے تو پھر پتھر برساتے، آنحضرت صلعم کو اس دن اسقدر تکلیف پہنچی کہ نو برس کے بعد جب حضرت عائشہ رض نے ایک دن دریافت کیا کہ یا رسول اللہ تمام عمر میں آپ پر سب سے زیادہ سخت دن کون سا آیا تو آپ نے اسی طائف کا حوالہ دیا، ۸ھ میں مسلمانوں کی فوج اسی طائف کا محاصرہ کرتی ہے، ایک مدت تک اس کا محاصرہ رہتا ہے، قلعہ نہیں فتح ہوتا، بہت سے مسلمان شہید ہوتے ہیں آپ واپسی کا ارادہ کرتے ہیں، پرجوش مسلمان نہیں مانتے، طائف پر بددعا کی درخواست کرتے ہیں، آپ ہاتھ اٹھاتے ہیں، مگر کیا فرماتے ہیں، "خداوندا! طائف کو ہدایت کر اور اس کو اسلام کے آستانہ پر جھکا،" دوستو! یہ کس شہر کے حق میں دعائے خیر ہے وہی شہر جس نے آپ پر پتھر برسائے تھے اور آپ کو زخمی کیا تھا اور آپ کو پناہ دینے سے انکار کیا تھا۔

احد کے غزوہ میں دشمن حملہ کرتے ہیں، مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ جاتے ہیں آپ نرغہ اعداء میں ہوتے ہیں، آپ پر پتھر تیر اور تلوار کے وار ہوتے ہیں، دندان مبارک شہید ہوتا ہے، خود کی کڑیاں سر مبارک میں گڑ جاتی ہیں، چہرہ مبارک خون سے رنگین ہوتا ہے، اس حالت میں بھی آپ کی زبان پر یہ الفاظ ہیں وہ قوم کیسے نجات پائیگی جو اپنے پیغمبر کے قتل کے درپے ہے، خداوندا! میری قوم کو ہدایت کر کہ وہ نہیں جانتی، یہ ہے، "تو اپنے دشمن کو پیار کر" کے زبانی وعظ پر عمل کرنا، جو صرف شاعرانہ فقرہ نہیں بلکہ عمل کا حیرتناک نمونہ ہے۔

وہی ابن عبد یالیل جس کے خاندان نے طائف آپ کے ساتھ مظالم کئے تھے، جب طائف کا وفد لے کر مدینہ آتا ہے، تو آنحضرت صلعم اس کو اپنی مقدس مسجد میں اتارتے ہیں، ہر روز عشاء کے بعد اس کی ملاقات کو جاتے ہیں اور اپنی ربع بھری مکہ کی داستان سناتے ہیں، کس کو؟ اس کو جس نے آپ پر پتھر برسائے تھے، اور اپنے دشمن کو پیار کرو اور معاف کرو،،

مکہ جب فتح ہوا تو حرم کے صحن میں، کس حرم کے صحن میں جس میں آپکو گالیاں دی گئیں، آپ پر نجاستیں پھینکی گئیں، آپ کے قتل کی تجویز منظور ہوئی، قریش کے تمام سردار مفتوحانہ کھڑے تھے، ان میں وہ بھی تھے جو اسلام کے مٹانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا چکے تھے، وہ بھی تھے جو آپ کو جھٹلایا کرتے تھے، وہ بھی تھے جو آپ کی ہجو میں کہا کرتے وہ بھی تھے جنہوں نے آپ پر پتھر پھینکے تھے، آپ کے راستے میں کانٹے بچھائے تھے، آپ پر تلواریں چلائی تھیں آپ پر پتھر برسائے تھے، جنہوں نے آپ کے عزیزوں کا خون نا حق کیا تھا، ان کے سینے چاک کئے تھے ان کے دل اور جگر کے ٹکڑے کئے تھے وہ بھی تھے جو غریب اور بے کس مسلمانوں کو ستاتے تھے، ان کے سینوں پر اپنی جفاکاری کی آتشیں مہریں لگاتے تھے، ان کو جلتی زمین پر لٹاتے تھے، دہکتے کوئلوں سے ان کے جسم کو داغتے تھے، نیزوں کی انی سے ان کے بدن کو چھیدتے تھے آج یہ سب مجرم سرنگوں سامنے تھے، پیچھے دس ہزار خون آشام تلواریں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک اشارے کی منتظر تھیں، دفعتہً زبان مبارک کھلتی ہے، سوال ہوتا ہے، قریش بتاؤ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں؟ جواب ملتا ہے محمد! تو میرا شریف بھائی اور شریف بھتیجا ہے ارشاد ہوتا ہے، آج میں وہی کہتا ہوں جو یوسفؑ نے اپنے ظالم

بھائیوں کو کہا تھا لا تثریب علیکم الیوم (آج کے دن تم پر کوئی الزام نہیں) اذھبوا فانتم الطلقاء (جاؤ تم سب آزاد ہو)،

عزیزو اور دوستو! یہ ہے دشمنوں کو پیار کرنا اور معاف کرنا یہ ہے اسلام کے پیغمبر کا عملی نمونہ اور عملی تعلیم، جو خوش بیانیوں اور شیریں زبانیوں تک محدود نہیں، بلکہ وہ دنیا میں واقعہ اور عمل بن کر ظاہر ہوا۔

یہی نکتہ ہے جس کے باعث تمام دوسرے مذاہب اپنے پیغمبروں اور رہنماؤں کے اصول تعلیمات اور اقوال یعنی تعلیمات کی طرف دنیا کو بلاتے ہیں اور بار بار انہیں کو دہراتے ہیں کہ ان کے سوا ان کے پاس کوئی چیز نہیں اور اسلام اپنے پیغمبر کی تعلیم اور عمل، لفظ اور اس کے مصداق دونوں کے بیک وقعہ سب کے سامنے پیش آتا ہے اور ان دونوں کی طرف سب کو بلاتا ہے محمد رسول اللہ صلعم نے ہم سے رخصت ہوتے وقت فرمایا تو کت فیکم اصین کتاب اللّٰہ و سنتی (تم دو مرکز ثقل چھوڑ کر جاتا ہوں، خدا کی کتاب اور اپنا عملی راستہ) یہ دونوں مرکز ثقل اب تک قائم ہیں اور تا قیامت قائم رہیں گے، اسی لئے اسلام کتاب اللہ کے ساتھ ساتھ اتباع سنت کی بھی دعوت دیتا ہے، اور قرآن پاک بھی اس کا حکم دیتا ہے، کہتا ہے لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (لوگو تمہارے لئے خدا کے رسول کی زندگی میں بہتر پیروی ہے۔

اسلام خدا اپنے پیغمبر کو اپنی کتاب کا عملی مجسمہ نمونہ اور پیکر بنا کر پیش کرتا ہے دنیا میں یہ فخر صرف اسلام کے پیغمبر کو حاصل ہے کہ وہ تعلیم اور اصول کے ساتھ ساتھ اپنے عمل اور اپنی مثال پیش کرتا ہے، طریقہ نماز سے ناواقف کو کہتا ہے صلوا کما

دا ایتمونی (تم اس طرح خدا کی نماز پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو،
بیوی بچوں کے ساتھ نیکی اور بھلائی کی تعلیم ان الفاظ میں دیتا ہے خیرکم خیرکم
لاھلہ وانا خیرکم لاھلی (تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو اپنے بیوی بچوں کے لئے
سب سے اچھا ہے اور میں اپنی بیوی بچوں کے لئے سب سے اچھا ہوں، آخری حج کا
موقع ہے، ایک لاکھ پروانوں کا شمع نبوت کے گرد ہجوم ہے، انسانوں کو خدا کا
آخری پیغام سنایا جا رہا ہے، عرب کے باطل رسوم اور نہ ختم ہونے والی لڑائیوں
کا سلسلہ آج توڑا جا رہا ہے، مگر تعلیم کے ساتھ ساتھ دیکھو کہ اپنی ذاتی نظیر اور
عملی مثال بھی ہر قدم پر ہے، فرمایا۔

"آج عرب کے تمام انتقامی خون باطل کر دیئے گئے یعنی تم سب ایک
دوسرے کے قاتلوں کو معاف کر دو اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان
کا خون اپنے بھتیجے ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون معاف کرتا ہوں
جاہلیت کے تمام سودی لین دین اور کاروبار آج باطل کئے جاتے
ہیں اور سب سے پہلے اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب کا سودی بیوپار
توڑتا ہوں"

جان اور مال کے بعد تیسری چیز آبرو ہے، وہ غلط اور قابل اصلاح رسوم
ورواج جن کا تعلق لوگوں کی عزت اور آبرو سے ہوتا ہے ان کو سب سے پہلے
عملاً مٹانے کی ہمت گو بظاہر اپنی بے عزتی اور بے آبروئی کے ہم معنی ہے اس لئے
ملک کے بڑے بڑے مصلحین کے پاؤں بھی کسی ملکی رسم و رواج کی عملی اصلاح کی
جرأت مشکل سے کرتے ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو مساوات کی تعلیم دی،

عرب میں سب سے زیادہ ذلیل غلام سمجھے جاتے تھے، آپ نے مساوات، اخوت انسانی
اور جنس انسانی کی برابری کی یہ عملی مثال پیش کی کہ ایک غلام کو اپنا فرزند اور متبنی
بنایا، عرب میں قبائل باہمی شرافت کی زیادتی اور کمی اس درجہ لحاظ تھا کہ لڑائی
میں بھی اپنے سے کم رتبہ پر تلوار چلانا عار سمجھا جاتا تھا کہ ذلیل خون اس کی شریف
تلوار کو ناپاک نہ کردے، لیکن آپ نے جب یہ اعلان کیا کہ اے لوگو تم سب آدمؑ کے
بیٹے ہو، اور آدم مٹی سے بنا تھا، کالے کو گورے پر، گورے کو کالے پر، عجمی کو عربی پر اور
عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں، تم میں افضل ہے وہ جو اپنے رب کے نزدیک سب
سے زیادہ پرہیزگار رہے تو اس تعلیم نے دفعتہ بلند و پست، بالا و زیر، اعلیٰ و ادنیٰ
آقا و غلام سب کو ایک سطح پر لاکر کھڑا کر دیا، لیکن ضرورت ہے عملی مثالوں کی، یہ مثال
خود آپ نے پیش کی، اپنی پھوپھی زاد بہن جو قریش کے شریف خاندان سے تھیں، اپنے غلام
سے بیاہا، منہ بولے بیٹے کا قاعدہ جب اسلام میں توڑا گیا تو سب سے پہلے زید بن محمدؐ
زید بن حارثہ کہلائے، منہ بولے بیٹے کی مطلقہ بیوی سے نکاح عرب میں ناجائز تھا مگر
چونکہ یہ محض ایک لفظی رشتہ تھا جس کو واقعیت سے کوئی تعلق نہ تھا اور اس رسم
سے بہت سی خاندانی رقابتوں اور خرابیوں کی بنیاد عربوں میں قائم ہو گئی تھی، اسلئے
اس کا توڑنا ضرور تھا، لیکن اس کے توڑنے کے لئے عملی مثال پیش کرنا انسان کی سب
سے عزیز ابرو سے تعلق رکھتا تھا، جو سب سے مشکل کام تھا، پیغمبر عرب نے بڑھ کر
خود اس کی مثال پیش کی اور زید بن حارثہؓ کی مطلقہ بیوی حضرت زینبؓ سے شادی
کی تب سے اسلام سے یہ رسم ہمیشہ کیلئے مٹ گئی اور متبنی کی بیہودہ رسم سے عرب نے نجات پائی
واقعات کی انتہا نہیں مثالوں کی کمی نہیں، مگر وقت محدود ہے اور آج شاید

میں نے سب سے زیادہ آپ کا وقت لیا۔

میرے دوستو! میرے معروضات کی روشنی میں آدمؑ سے لے کر عیسیٰؑ تک اور شام سے لیکر ہندوستان تک ہر ایک تاریخی انسان کی مصلحانہ زندگی پر ایک نظر ڈالو کیا ایسی عملی ہدایتوں اور کامل مثالوں کا کوئی نمونہ کہیں نظر آتا ہے، حاضرین چند لفظ اور بعض شیریں بیان واعظین شاعرانہ پیرایہ میں اپنے "خداوندا"، کی زبانی محبت اور الٰہی عشق کا تذکرہ کرتے ہیں، مگر انہیں کے مقولے کے مطابق "درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے"، اس پاک عشق و محبت کا کیا اثر اس کی زندگی میں نمایاں تھا؟ عرب کے دعویدار محبت کی سیرت پڑھو، راتیں گزرتی ہیں، دنیا سوتی ہے اور اس کی آنکھیں جاگتی ہیں، ہاتھ خدا کے آگے پھیلے ہیں، زبان ترانہ حمد گا رہی ہے، دل پہلو میں بیتاب تڑپ رہا ہے اور آنکھوں سے آنسوؤں کے تار جاری ہیں کیا محبت کی یہ تصویر ہے یا وہ؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سولی پر چڑھتے ہیں تو بیتابانہ زبان سے یہ الفاظ نکلتے ہیں ایلی ایلی لما سبقتنی (اے میرے خداوندا! اے میرے خداوندا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا) لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب موت کے بستر پر ہوتے ہیں، اور زندگی کے آخری سانس لے رہے ہوتے ہیں تو زبان پر ہوتا ہے اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الْاَعْلیٰ، (اے میرے خداوندا! اے میرے بہترین ساتھی)

ان دونوں فقروں میں سے کس میں محبت کا ذائقہ، عشق کی چاشنی، دریائی سکینت کی دھاریں بہتی ہیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیْهِ وَعَلٰی سَائِرِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْن

(۸)

پیغمبر اسلام علیہ السلام کا پیغام

حضرات ہم نے پچھلے چھ لکچروں میں دلائل اور تاریخ کی روشنی میں یہ ثابت کر دیا ہے کہ انسانوں کے تمام بلند طبقوں میں سے صرف انبیاء کرام علیہم السلام کی سیرتیں تقلید اور پیروی کے لائق ہیں اور ان میں سے عالمگیر اور دائمی نمونہ صرف محمد رسول اللہ صلعم کی سیرت ہے اس مقام پر جب یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلعم ہی دائمی نمونہ ہیں، تو سوال ہوتا ہے کہ ان کی عالمگیر اور دائمی تعلیم کیا ہے؟ وہ دنیا کو کیا پیغام دینے آئے اور کیا پیغام دیکر دنیا سے تشریف لے گئے ان کے پیغام کے وہ کون سے ضروری اجزا ہیں جن کے ادا کرنے کے لئے اس پیغمبر آخر الزماںؐ کی ضرورت پیش آئی؟ دنیا میں دوسرے پیغمبروں کے ذریعہ جو پیغام آئے ان کی کس طرح اس آخری پیغام نے تصحیح اور تکمیل کی؟

ہم کو تسلیم ہے کہ دنیا میں وقتاً فوقتاً انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ پیغام آتے رہے، مگر جیسا کہ بارہا کہا جا چکا ہے اور واقعات کی روشنی میں دکھایا جا چکا ہے کہ وہ تمام پیغام کسی خاص زمانہ اور قوم کے لئے آیا کئے جو وقتی تھے اور اس لئے ان کی دائمی حفاظت کا سامان نہ ہوا، ان کی اصل برباد ہو گئی، مدتوں کے بعد مرتب کئے گئے اور ان میں تحریفیں کی گئیں، ان کے ترجموں نے ان کو کچھ سے کچھ بنا دیا ان کی سند تاریخی کا ثبوت نہیں باقی رہا، بہت سے جعلی پیغام ان میں شریک کئے گئے اور یہ سب چند سو برس کے اندر ہو گیا، اگر خدا کا کام مصلحت اور حکمت سے خالی نہیں ہوتا، تو ان کو مٹنا اور برباد ہونا ہی، ان کے

وقتی فرمان اور عارضی تعلیم ہونے کا ثبوت ہے، مگر جو پیغام محمد رسول اللہ صلعم کے ذریعہ آیا وہ عالمگیر اور دائمی ہو کر آیا، اور اسی لئے وہ جب آیا اب تک وہ ہر طرح محفوظ ہے اور رہے گا کیونکہ پھر اس کے بعد کوئی نیا پیغام آنے والا نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے کسی گزشتہ پیغام کے متعلق یہ نہیں فرمایا کہ اس کی تکمیل ہو چکی اور اس کی حفاظت کا بھی ذمہ دار ہوں دنیا کے تمام وہ صحیفے جو گم ہو چکے ان کا گم ہو جانا ہی ان کے وقتی اور عارضی ہونے کی دلیل ہے اور جو موجود ہیں، ان کی ایک ایک آیت تلاش کر لو، اس کی تکمیل اور اس کی حفاظت کے وعدہ کے متعلق ایک حرف نہ پاؤ گے، بلکہ ان کے خلاف اس کے نقص کے اشارے اور تصریحیں پاؤ گے۔

حضرت موسیٰ کہتے ہیں کہ ”خداوند تیرا خدا تیرے درمیان تیرے ہی بھائیوں میں سے میرے مانند ایک نبی برپا کرے گا، تم اس کی طرف کان دھرو (استثناء ۱۸-۱۵) میں ان کے لئے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا، اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اس سے کہوں گا وہ سب ان سے کہے گا،“ (استثناء ۱۸-۱۲) یہ وہ برکت ہے جو موسیٰ مرد خدا نے اپنے مرنے سے پہلے بنی اسرائیل کو بخشی اور اس نے کہا کہ خداوند سینا سے آیا اور سعیر سے ان پر طلوع ہوا، اور فاران کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا، اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشیں شریعت ہو گی،“
(استثناء ۳۳-۲۰)

توراۃ ان اوپر کی آیتوں میں یہ صاف بتا رہی ہے کہ ایک اور نبی موسیٰؑ کے مثل آنے والا ہے جو اپنے ساتھ ایک آتشیں شریعت بھی لائے گا اور اس کے منہ میں خدا اپنا کلام ڈالے گا، اس سے بالکل واضح ہے کہ حضرت موسیٰؑ کا پیغام آخری دائمی نہیں ہے،

اس کے بعد شعیاہ نبی ایک اور "رسول" کی خوشخبری سناتے ہیں جس کی شریعت کی راہ دریائی ممالک اور جزیرے تک رہے ہیں (باب ۴۰) ملاجیہ میں ہے "دیکھو میں اپنے رسول کو بھیجوں گا، بنی اسرائیل کے دیگر صحیفوں اور زبور میں بھی آئندہ آنے والوں کی بشارتیں ہیں، ان سے ثابت ہوتا ہے کہ کوئی بھی اسرائیلی صحیفہ دائمی اور آخری اور مکمل نہیں ہے۔

انجیل کو دیکھو وہ اعلان کرتی ہے۔

اور میں اپنے باپ سے درخواست کروں گا کہ وہ تمہیں دوسرا فارقلیط بخشے گا، کہ ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گا (یوحنا ۱۴-۱۶)

لیکن وہ فارقلیط روح القدس ہے جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب چیزیں سکھائے گا، اور سب باتیں جو کچھ میں نے تمہیں کہی ہیں۔ یاد دلائے گا (یوحنا ۱۴-۲۲)

میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ میں تم سے کہوں پر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے، لیکن جب وہ یعنی سچائی کی روح آئے گی تو وہ تمہیں ساری سچائی کی راہ بتائے گی، کیونکہ وہ اپنی نہ کہے گی بلکہ جو کچھ سنے گی وہ کہے گی (یوحنا ۱۶-۸)

ان آیتوں میں انجیل نے صاف اعلان کیا ہے کہ وہ خدا کا آخری کلام نہیں اور نیز یہ کہ وہ کامل بھی نہیں، ایک اور آئے گا جو مسیح کے پیغام کی تکمیل کرے گا مگر محمدؐ کا پیغام اپنے بعد کسی اور آنے والے کا پیغام نہیں دیتا جو نیا پیغام سنائے گا یا محمدؐ کے پیغام میں کوئی نقص ہے جس کو دور کرکے وہ اس کو کامل کرے گا، بلکہ وہ اپنی تکمیل کا آپ دعویٰ کرتا ہے اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي زیعنی

نے تمہارے لئے تمہارا دین آج کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی)

اور بتایا کہ محمدؐ خاتم الانبیاء یعنی نبوت کے سلسلہ کو بند کرنے والے ہیں خاتم النبیین خود قرآن نے کہا ہے اور ختم بی النبیون اور میری ذات سے انبیاء ختم کر دیئے گئے حدیث نے کہا ہے (مسلم باب المساجد) الا لا نبی بعدی (ہشیار کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں) متعدد حدیثوں میں ہے، آپ نے فرمایا میں نبوت کی عمارت کا آخری پتھر ہوں، قرآن نے اپنے صحیفہ کے کسی آیت میں کسی بعد میں آنیوالے پیغامبر کے لئے کوئی جگہ نہیں چھوڑی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ صرف وہی پیغام ربانی جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دنیا میں آیا خدا کا آخری اور دائمی پیغام ہے اسی لئے وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْن کے وعدہ سے خدا نے اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود لے لی ہے۔

دوستو اس کے بعد یہ سوال یہ ہے کہ پیغام محمدی کے سوا کوئی اور پیغام الٰہی بھی عالمگیر ہو کر آیا، بنی اسرائیل کے نزدیک دنیا صرف بنی اسرائیل سے عبارت ہے، خدا صرف بنی اسرائیل کا خدا ہے، اسی لئے بنی اسرائیل کے انبیاء اور صحیفوں نے کبھی بنی اسرائیل کے علاوہ خدا کا پیغام نہیں پہنچایا، اور اب تک بھی یہودی مذہب اور موسوی شریعت بنی اسرائیل تک محدود ہے تمام صحیفوں میں صرف انہیں کو خطاب کیا گیا، اور ان کو ان کے خاندانی خدا کی طرف ہمیشہ ملتفت کیا گیا۔ حضرت عیسیٰؑ نے بھی اپنا پیغام بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں تک محدود رکھا، اور غیر اسرائیلی کو اپنا پیغام سنا کر بچوں کی روٹی کتوں کو دینی پسند نہ کی، ہندوستان کے وید بھی غیر آریوں کے کانوں تک نہیں پہنچ سکتے کہ ان کے علاوہ تو تمام دنیا شودر ہے اور وہاں یہ تاکید ہے کہ اگر

وید کے شبد شودر کے کانوں میں پڑ جائیں تو اس کے کانوں میں سیسہ ڈال دیا جائے،

پیغام محمدی دنیا میں خدا کا پہلا اور آخری پیغام ہے جو کالے گورے، عرب، عجم ترک و تاتاری، ہندی و چینی، رنگ و فرنگ سب کے لئے عام ہے، جس طرح اس کا خدا تمام دنیا کا خدا ہے الحمد للہ رب العلمین تمام دنیا کا پروردگار ہے اسی طرح اس کا رسول تمام دنیا کا رسول رحمۃ للعلمین اور تمام دنیا کے لئے رحمت ہے اسی طرح اس کا پیغام بھی تمام دنیا کے لئے پیغام ہے۔

ان ھو الا ذکری للعلمین (فرقان) — وہ تمام دنیا کے لئے نصیحت ہے۔

تبٰرک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعلمین نذیرا الذی لہ ملک السموات والارض (فرقان) — برکت والا ہے وہ خدا جس نے اپنے بندہ پر فیصلہ والی کتاب اتاری تاکہ وہ تمام دنیا کو ہشیار کرنے والا ہو، وہ خدا کہ اسی کی ہے سلطنت آسمان اور زمین کی۔

آپ تمام دنیا کے نذیر ہو کر آئے، جہاں تک خدا کی سلطنت ہے وہاں تک آپ کی پیغامبری ہے۔ سورہ اعراف میں ہے۔

قل یایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا الذی لہ ملک السموات والارض — کہدے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول ہوں جس کی آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے۔

دیکھو اس میں بھی پیغام محمدیؐ کی وسعت تمام کائنات تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس سے زیادہ یہ کہ جہاں وہ پہنچ سکے سب اس کے دائرے میں ہے۔

واوحی الی ھذا القرآن لانذرکم — میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا تاکہ اس سے

کہہ دو کہ میں تم کو ہشیار کردوں جس تک یہ پہنچے اسکو ہشیار کردوں
(به ومن بلغ (انعام)

اور بالآخر

وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا (سبا)

ہم نے تمہیں بھیجا ہے اے محمدؐ! لیکن تمام انسانوں کیلئے خوشخبری سنانیوالا اور ہوشیار کرنیوالا بناکر

ان حوالوں سے یہ امر پوری طرح ثابت ہوتا ہے کہ تمام مذاہب میں صرف اسلام نے اپنے دائمی اور آخری اور کامل اور عالمگیر ہونے کا دعویٰ کیا ہے صحیح مسلم میں ہے کہ آپ نے فرمایا "مجھ سے پہلے تمام انبیاء صرف اپنی اپنی قوم کی طرف بھیجے گئے اور میں تمام قوموں کی طرف بھیجا گیا ہوں"، یہ ہمارے مزید دعویٰ کا ثبوت ہے اور تاریخ کی عملی شہادت ہماری تائید میں ہے، الغرض یہ کہنا ہے کہ پیغام محمدیؐ بھی اسی طرح کامل دائمی اور عالمگیر ہے، جس طرح کہ اس پیغام کے لانے والے کی سیرت اور اس کا عملی نمونہ کامل دائمی اور عالمگیر ہے۔

دوستو! اب یہاں پہنچکر تم مجھ سے پوچھو اور میں تم کو بتاؤں گا کہ وہ محمدؐ کا آخری دائمی اور عالمگیر پیغام کیا ہے، جس نے تمام مذاہب کی تکمیل کی اور اس نے آکر ہمیشہ کے لئے خدا کے دین کو مکمل اور خدا کی نعمت کو تمام کردیا۔

ہر مذہب کے دو جزو ہیں ایک کا تعلق دل سے ہے اور دوسرے کا ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضاء سے یا انسان کے مال و دولت سے پہلے کو ایمان اور دوسرے کو عمل کہتے ہیں، عمل کے تین حصے ہیں ایک خدا سے متعلق جس کو عبادات کہتے ہیں، دوسرا انسان کے باہمی کاروبار سے متعلق جس کو معاملات کہتے ہیں، اور جن کا بڑا حصہ قانون ہے، تیسرا انسان کے باہمی تعلقات اور روابط کی بجا آوری ہے اس کو اخلاق کہتے ہیں

غرض اعتقادات، عبادات، معاملات اور اخلاق مذہب کے یہی چار جز ہیں۔ مذہب کے یہ چاروں اجزا پیغام محمدیؐ ہی کے ذریعہ سے تکمیل کو پہنچے۔

توراۃ اور انجیل میں عقائد کے اجزا بالکل ناصاف اور غیر واضح ہیں، ان میں خدا کے وجود اور توحید کا بیان ہے، لیکن دلیلوں اور ثبوتوں سے معرا۔ خدا کے صفات جو اصل میں روح انسانی کی بالیدگی کا ذریعہ ہیں اور جن کے ذریعہ سے خدا کی معرفت اور محبت ہو سکتی ہے نہ توراۃ میں ہیں اور نہ انجیل میں ہیں، توحید کے بعد رسالت ہے رسالت اور نبوت کی حقیقت، وحی الہام و مکالمہ کی تشریح، انبیاء کرام کی حیثیت انسانی انبیاء کا ہر قوم میں ہونا، انبیاء کے فرائض، انبیاء کو کس حیثیت سے تسلیم کرنا چاہیئے انبیاء کی معصومیت، ان تمام مسائل سے پیغام محمدیؐ سے پہلے کے تمام پیغامات خالی ہیں۔ جزا و سزا، دوزخ و جنت، حشر و نشر قیامت و حیات آخرت، توراۃ میں ان کے نہایت دھندلے سے نشانات ہیں، انجیل میں ایک یہودی کے جواب میں ان اہم امور کے متعلق ایک دو فقرے جنت و دوزخ کے متعلق بھی ہیں اور بس، لیکن پیغام محمدیؐ میں ہر چیز صاف اور مفصل موجود ہے۔

فرشتوں کا تخیل توراۃ میں بھی ہے مگر بالکل ناصاف، کبھی کبھی خدا کے واحد اور فرشتوں میں یہ تمیز مشکل ہو جاتی ہے کہ توراۃ یہ خدا کا ذکر کر رہا ہے یا فرشتوں کا کر رہا ہے، انجیل میں ایک دو فرشتوں کا نام آتا ہے، روح القدس کی حقیقت انجیل میں اس قدر مشتبہ ہے کہ اس کو فرشتہ کہہ سکتے ہیں نہ خدا، یا یہ کہو کہ اس کو فرشتہ بھی کہہ سکتے ہیں اور خدا بھی، لیکن پیغام محمدیؐ ملائکہ اور فرشتوں کی حقیقت بالکل واضح کر دیتا ہے ان کی حیثیت مقرر کر دیتا ہے، ان کے کام بتا دیتا ہے، خدا سے اور پیغمبروں سے

اور کائنات سے ان کا تعلق کر دیتا ہے۔

عزیزو! یہ تو وہ تکمیل ہے جو عقائد میں اور ایمانیات میں پیغام محمدی نے کی ہے اب آیئے عملیات کا امتحان لیں، عملیات کا پہلا حصہ عبادات ہے توراۃ میں قربانی کی طویل بحث اور اس کے شرائط اور آداب کی بڑی شرح ہے، روزوں کا ذکر بھی آیا ہے دعائیں بھی کی گئی ہیں، بیت ایل یا بیت اللہ کا بھی نام آتا ہے، لیکن یہ تمام چیزیں اس قدر دھندلی ہیں کہ لوگوں کی نظر ان پر بھی نہیں پڑتی اور ان کے انکار کی طرف مائل ہیں پھر نہ تو عبادات کی تقسیم ہے اور نہ ان کے طریقے اور آداب بتائے گئے ہیں نہ ان کا وقت بتایا گیا ہے اور اس میں خدا کی یاد، دھیان اور دعاؤں کی تعلیم دی گئی ہے، کہیں بھی خدا کی زبان سے کوئی دعا بندہ کو سکھائی نہیں گئی ہے، زبور میں خدا کی دعائیں اور مناجاتیں ہیں، مگر عبادات کے طریقے، آداب، اوقات اور دیگر شرائط کا پتہ نہیں، انجیل میں عبادات کا بہت کم بلکہ بالکل ذکر نہیں ہے ایک جگہ حضرت عیسیٰ کے چالیس دن کے فاقہ کا ذکر ہے، یہودیوں کا اعتراض مذکور ہے کہ کیوں تیرے شاگرد روزے نہیں رکھتے، حضرت عیسیٰؑ کی اخیر رات میں دعا کرنے کا ذکر ہے اور ایک دعا بھی سکھائی گئی ہے مگر اور عبادات کا نشان نہیں، اسلام کے پیغام محمدی میں ہر چیز صاف اور مفصل ہے، نماز، روزہ، حج ان کے آداب و شرائط کے طریقے، خدا ذکر اور یاد کرنے کی دعائیں اور مؤثر دعائیں، نماز کے اوقات، روزے کے اوقات، حج کے اوقات ہر ایک کے احکام اور خدا کے حضور میں بندوں کے عجز و زاری اور مناجات گناہوں کے اقرار اور توبہ و ندامت اور عبد و معبود کے باہمی راز و نیاز کی وہ وہ تعلیمیں دی گئی ہیں جو دلوں کی گرہیں کھول دیتی ہیں جو انسانوں کو خدا تک پہنچا دیتی ہیں،

جو روحوں کی غذائیں جو مذہب کی روح کو مجسم کر دیتی ہیں اور پیغام محمدیؐ کی تکمیل کی ناقابل تردید شہادت ہے۔

عمل کا دوسرا حصہ معاملات یا مملکت و معاشرت کے قوانین کا جو حضرت موسیٰؑ کے پیغام میں بڑی تفصیل کے ساتھ موجود ہے اور پیغام محمدیؐ نے ان کو بہت حد تک قائم رکھا ہے، لیکن ان قوانین کی سخت گیری کم کر دی ہے اور ایک قومی قانون کے تنگ دائرہ سے نکال کر عالمگیر قوانین کی حیثیت اس کو دیدی ہے اور اس حیثیت سے جن تکمیلی اجزا کی ضرورت تھی، ان کا اضافہ کیا ہے، زبور اور انجیل اس شریعت اور قانون سے بالکل خالی ہے، طلاق وغیرہ کے متعلق ایک دو احکام انجیل میں البتہ ہیں دیگر صفر، مگر عالمگیر اور دائمی مذہب کی ضرورتوں کی کفالت کے لئے مملکت اور معاشرت کے قوانین کی حاجت ہے اور چونکہ پیغام عیسوی ان سے خالی ہے، اس لئے دیکھو کہ عیسائی قوموں کو یہ چیزیں بت پرست یونانی اور رومی قوموں سے قرض لینی پڑیں، پیغام محمدی نے ان میں سے ہر ایک حصہ کو پوری نکتہ سنجی اور باریک بینی کے ساتھ تکمیل کو پہنچایا اور ایسے اصول اور قواعد کلیہ بنائے جن میں وقتاً فوقتاً ائمہ مجتہدین اور علماء نئی نئی ضرورتوں کے لئے انہیں سے مسائل نکال کر پیش کرتے ہیں اور کم از کم ایک ہزار برس تک متمدن بلند پایہ، ترقی یافتہ اور مہذب اسلامی ممالک کا انہیں پر عمل درآمد رہا اور اب بھی ہے۔

عمل کا تیسرا حصہ اخلاق ہے، توراۃ میں اخلاق کے متعلق چند احکام پائے جاتے ہیں، توراۃ کے ان اصولی احکام میں سے سات اخلاقی احکام ہیں، جن میں سے والدین کی فرماں برداری کی ایک ایجابی تعلیم ہے، باقی چھ سلبی اخلاق کی تعلیمیں ہیں۔ تو خون مت کر، تو چوری نہ کر، تو زنا نہ کر، تو اپنے ہمسایہ پر جھوٹی گواہی نہ دے، تو اپنے

ہمسایہ کی جورو کو مت چاہ تو اپنے ہمسایہ کے مال کا لالچ نہ کر لیکن چھٹا حکم چوتھے اور ساتواں
تیسرے میں داخل ہے اس لئے چار ہی رہ گئے، انجیل میں بھی انہیں احکام کو دہرایا گیا
ہے اور دوسروں کے ساتھ مجملاً محبت کی تعلیم دی ہے لیکن پیغام محمدی نے اس
قطرہ کو دریا کر دیا ہے، سب سے پہلے اس نے اپنے بارہ اصولی احکام متعین کئے جو
معراج کی ربانی بارگاہ میں عطا ہوئے اور جو سورہ اسراء میں مذکور ہے، ان بارہ میں
سے گیارہ انسانی اخلاق اور ایک توحید کے متعلق ہے، گیارہ میں سے پانچ سلبی ہیں
اور پانچ ایجابی اور ایک سلبی و ایجابی کا مجموعہ۔

ماں باپ کی عزت اور فرمانبرداری کر، جن کا تجھ پر حق ہے ان کا حق ادا کر، یتیم سے
اچھا برتاؤ کر، ناپ تول ترازو اور پیمانہ ٹھیک رکھ، اپنا وعدہ پورا کر تجھ سے اس کی
پوچھ ہوگی، یہ پانچ ایجابی باتیں ہیں، تو اپنی اولاد کو قتل نہ کر، تو ناحق کسی کی جان نہ لے
زنا کے قریب نہ جا، انجان بات کے پیچھے نہ چل، زمین پر غرور نہ کر، یہ پانچ سلبی باتیں ہیں
اور ایک حکم سلبی و ایجابی کا مجموعہ ہے، فضول خرچی نہ کر بلکہ اعتدال او رہیچ کی راہ
اختیار کر، ان اصولی احکام کے مقابلہ میں واضح ہوگا کہ پیغام محمدی کیونکر تکمیلی پیغام
ہو کر آیا ہے، اس نے نہ صرف ان اصولی احکام کو بتایا اور مکمل کیا بلکہ اخلاق کی ایک
ایک گرہ کو کھولا، انسان کی ایک ایک قوت کا مصرف بتایا، اور اس کی ایک ایک
کمزوری کو ظاہر کیا، روح کی ایک ایک بیماری کی تشخیص کی، اور اس کا علاج بتایا،
یہ عمل کی تکمیل تھی جو پیغام محمدی کے ذریعہ انجام پائی۔

عزیزو! ایمان اور عمل یہی دو چیزیں ہیں جو ہر قسم کے پیغام محمدی کو جامع ہیں اور
قرآن پاک نے انسانی نجات کا مدار انہیں دو چیزوں پر رکھا ہے کہ ہمارا ایمان

پاک اور مستحکم ہو، اور عمل نیک اور صالح ہو۔ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ قرآن پاک میں بیسویں جگہ آیا ہے، اور صاف صاف کھول کھول کر بیان کیا ہے کہ فلاح اور کامیابی صرف ایمان اور عمل صالح پر موقوف ہے، میں چاہتا ہوں کہ ان دونوں اصولی مسئلوں کو پوری طرح تشریح کے ساتھ آپ کے سامنے رکھ دوں مگر اتنا وقت نہیں کہ ان کی پوری تفصیل پیش کردں، اس لئے پیغام محمدیؐ کا وہ حصہ پیش کرنا چاہتا ہوں جس نے ایمان و عمل کے متعلق تمام دنیا کی غلطیوں کی اصلاح کی اور دین ناقص کو تکمیل کے درجہ تک پہنچایا، اور ان اصولی اور بنیادی غلطیوں کو دور کیا، جس کی بنا پر انسانیت حد درجہ پستی اور گمراہی میں تھی، اور وہ ہر قسم کی گمراہیوں کی بنیاد اور جڑ تھی۔

ان بنیادی مسئلوں میں سب سے پہلا مسئلہ جو پیغام محمدیؐ کے ذریعہ واضح ہوا، وہ کائنات اور مخلوقات الٰہی میں انسانیت کا درجہ ہے اور یہی توحید کی جڑ ہے اسلام سے پہلے انسان اکثر مخلوقات الٰہی سے اپنے کو کم درجہ اور کم رتبہ سمجھتا تھا، وہ سخت پتھر، پہاڑ، بہتے دریا، سرسبز درخت، برستے پانی، دہکتی آگ، ڈراؤنے جنگل زہریلے سانپ، ڈکارتے شیر، دودھ دیتی گائے، چمکتا سورج اور درخشاں تاروں کالی راتوں بھیانک صورتوں غرض دنیا کی ہر اس چیز کو جس سے وہ ڈرتا تھا یا جس کے نفع کا خواہشمند تھا پوجتا تھا، اور اس کے آگے اپنی عبودیت کا سر جھکاتا تھا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو پیغام دیا کہ، اے لوگو! یہ تمام چیزیں تمہاری آقا نہیں بلکہ تم ان کے آقا ہو، وہ تمہارے لئے پیدا کی گئی ہیں، تم ان کے لئے پیدا نہیں کئے گئے، وہ تمہارے آگے جھکی ہیں، تم کیوں ان کے آگے جھکتے ہو؟ اے انسانو! تم اس ساری کائنات میں خدا کے نائب اور خلیفہ ہو، اس لئے یہ تمام مخلوقات اور کائنات تمہارے

زیر فرمان دیئے گئے، تم ان کے زیر فرمان نہیں دیئے گئے وہ تمہارے لئے ہیں، تم ان کے لئے نہیں ہو۔

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً (بقرہ)
یاد کرو جب خدا نے فرشتوں سے کہا تھا میں زمین پر اپنا نائب بنا کر بھیجنے والا ہوں۔

وَهُوَ الَّذِىْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِى الْاَرْضِ (انعام)
اور اسی نے تم کو زمین پر اپنا نائب کیا۔

اسی نیابت اور خلافت نے آدم اور اولادِ آدم کو سب مخلوقات میں عزت اور بزرگی بخشی وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِىْٓ اٰدَمَ اور ہم نے یہ تحقیق اور بلاشک وشبہ آدم کی اولاد کو بزرگ بنایا۔

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ (حج) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خدا نے جو کچھ زمین میں ہے سب تمہارے بس میں دیدیا۔
هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا (بقرہ) اور اسی نے تمہارے لئے جو کچھ زمین میں ہے بنایا۔

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ (نحل)
اور جانوروں کو پیدا کیا تمہارے لئے ان کے اور ان میں گرمی اور دوسرے فائدے ہیں

بارش اس سے اگنے والے سبزے اور درخت تمہارے لئے ہیں۔

هُوَ الَّذِىْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ (نحل)
اسی خدا نے آسمان سے تمہارے لئے پانی اتارا، کچھ اس میں سے تم پیتے ہو، کچھ سے درخت اگتے ہیں جس میں چراتے ہو، اور وہی خدا تمہارے لئے کھیتی زیتون اور چھوہارے اور انگور اور ہر قسم کے پھل اگاتا ہے۔

شب وروز اور چاند، سورج اور تارے سب تمہارے لئے ہیں۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِهِ ۔ اور تمہارے لئے رات دن اور چاند اور سورج کو کام میں لگایا اور تارے اسکے حکم سے کام میں لگے ہیں

دریا اور اس کی روانی بھی ہمارے لئے ہے۔

وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيهِ اور وہی خدا ہے جس نے دریا کو کام میں لگایا ہے کہ تم اس سے تازہ گوشت کھاؤ اور اس سے آرائش کی موتی پہننے کو نکالو اور دیکھتے ہو کہ کشتیاں سمندر کو پھاڑتی پھرتی ہیں۔ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ تاکہ تم خدا کی مہربانی کو ڈھونڈو۔ اور شاید کہ تم اس کا شکر ادا کرو۔

اس معنی کی بہت سی اور آیتیں قرآن پاک میں ہیں، عارف شیراز نے اسی مطلب کو اس شعر میں ادا کیا ہے ؎

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند | تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

ان آیتوں کے ذریعہ پیغام محمدیؐ نے یہ واضح کردیا کہ انسان کائنات کا سرتاج ہے، خلافت الٰہی سے وہ ممتاز ہے خلق کائنات کا وہ مقصود ہے اور لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ اس کا طغرا ہے، غور کرو کہ اس حقیقت کے افشا ہونے کے بعد انسان کو کائنات کے کسی مظہر اور کسی مخلوق کے آگے سر جھکانا ناجائز ہے؟ اور اس کے آگے خاک پر پیشانی رکھنا مناسب ہے ناداں انسانوں نے خود ایک دوسرے کو بھی خدا بنایا تھا، وہ افسار بن کے آئے ہوں یا تخت جبروت پر قدم رکھ کر یا قسیس اور راہب اور پوپ یا عالم و درویش بن کر اپنے کو معبود بنانا چاہا ہو، فرعون نے کہا تھا اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى میں ہوں تمہارا بڑا دیوتا یہ بھی انسانیت

کی تحقیر ہے، پیغام محمدیؐ نے اس جڑ کو بھی کاٹ دیا۔

ولا یتخذ بعضنا بعضاً ارباباً من دون اللہ — اور یہ بھی کہ ہم انسانوں میں سے ایک دوسرے کو خدا کو چھوڑ کر اپنا رب بنا لیں۔

یہاں تک کہ نبیوں کو بھی روا نہیں کہ وہ کہیں کہ

کونوا عباداً لی من دون اللہ (آل عمران) — خدا کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جانا۔

آنکھوں سے پوشیدہ ہستیوں میں فرشتے اور آنکھوں کے سامنے کی ہستیوں میں انبیاء علیہم السلام سب سے بلند ہیں، مگر وہ بھی معبود انسانی نہیں ہو سکتے۔

ولا یامرکم ان تتخذوا الملٰئکۃ والنبیین اربابا (آل عمران) — یہ خدا حکم نہیں دیتا کہ فرشتوں اور نبیوں کو خدا بناؤ۔

الغرض انسانیت کا درجہ آج پیغام محمدیؐ کے ذریعہ اتنا بلند ہے کہ اس کی پیشانی سوائے ایک خدا کے کسی کے سامنے نہیں جھک سکتی اور اس کے ہاتھ اس کے سوا اور کسی کے آگے نہیں پھیل سکتے، نہ خدا کے سوا اور ہستی ہے جس سے ڈرا جائے۔ زمین و آسمان میں صرف اسی کا خوف ہے کسی اور کا نہیں، جس کو وہ لینا چاہے اس کو کوئی دے نہیں سکتا اور جس کو وہ دینا چاہے کوئی لے نہیں سکتا۔

وھو الذی فی السماء الٰہ وفی الارض الٰہ — وہی زمین میں خدا ہے وہی آسمان میں خدا ہے،

الا لہ الخلق والامر ان الحکم الا للہ لا شریک لہ فی الملک — ہاں اسی کے لئے ہے پیدا کرنا اور حکم دینا، حکومت صرف خدا کی ہے۔

اس پیغام محمدیؐ کو سامنے رکھ کر ذرا توحید کے مسئلہ کو سمجھو تو معلوم ہوگا کہ علاوہ اس کے اس نے انسانیت کے درجہ کو کہاں تک بلند کیا، توحید کی حقیقت کو کس طرح کھول دیا، یہاں خدا کیساتھ کوئی قیصر نہیں ہے جو کچھ ہے وہ اسی خدا کا ہے قیصر کا کچھ نہیں

اسی کی حکومت ہے اور اسی کی سلطنت ہے اور اسی کی فرماں روائی ہے اور اس کا ایک حکم ہے جو عرش سے فرش تک اور آسمان سے زمین تک جاری ہے۔

عزیزو! اپنے سینوں پر ہاتھ رکھ کر بتاؤ کہ ایک انسان اس نشۂ خلافت سے سرمست ہو کر کیا کسی غیر خدا کے آگے جھک سکتا ہے؟ اندھیرا ہو یا روشنی، آسمان ہو یا زمین، بادشاہ ہو رعایا، جنگل ہو یا صحرا، پہاڑ ہو یا دریا، کیا کبھی ایک صحیح مسلمان کا دل خدا کے علاوہ کسی ہستی سے ڈر سکتا ہے اور کسی ہستی کا پروا کر سکتا ہے؟ ذرا اس روحانی تعلیم کی اخلاقی قوت کو دیکھو اور پیغام محمدی کی اس بلندی پر غور کرو۔

محمد رسول اللہ صلعم کا دوسرا اصولی اور بنیادی پیغام یہ ہے کہ انسانیت اصل خلقت میں پاک بے عیب بے گناہ اور معصوم ہے اور خود انسان ہی ہے جو اپنے نیک و بد سے فرشتہ یا شیطان بن جاتا ہے، یعنی بے گناہ یا گنہگار بن جاتا ہے اس کی فطرت کی لوح بالکل سادہ اور بے نقش ہے، یہ سب سے بڑی خوشخبری اور بشارت ہے جو بنی نوع انسان کو محمد رسول اللہ صلعم کے ذریعہ سے ملی، چین، برما اور ہندوستان کے تمام مذاہب آواگون اور تناسخ کے چکر میں مبتلا ہیں، یونان کے بعض بیوقوف حکیم بھی اس خیال سے متفق ہیں مگر اس خیال نے انسانیت کو بےکار کر دیا، اس کی پیٹھ پر گرانبار بوجھ رکھ دیں۔ اس کے ہر عمل کو دوسرے عمل کا نتیجہ بنا کر اس کو مجبور کر دیا اس کی ہر زندگی کو دوسری زندگی کے ہاتھ میں دیدیا، کسی انسان کا دوبارہ پیدا ہونا ہی اس گنہگاری کی دلیل ہے، عیسائی مذہب نے بھی انسانیت کے اس بوجھ کو کم نہیں کیا بلکہ اور بڑھا دیا، عیسائی مذہب نے عقیدہ تسلیم کیا کہ ہر انسان اپنے باپ آدم کی گنہگاری کے باعث موروثی طور سے گنہگار ہے، خواہ اس نے ذاتی طور پر کوئی

گناہ نہ کیا ہو، اس لئے ایک غیر انسان کی ضرورت ہے جو موروثی گنہگار نہ ہو، تاکہ وہ اپنی جان دیگر بنی نوع انسان کے لئے کفارہ ہو اس موروثی گنہگاری سے کوئی فرزند آدم پاک نہیں، یہی کفارہ اس کی پاکی اور طہارت کا باعث ہے۔

لیکن محمد رسول اللہ صلعم نے اس دنیا میں آکر دنیا کو یہ پیغام سنایا۔

اے غمزدہ دنیا کی آبادی! تم کو بشارت ہو کہ نہ تم اپنی پہلی زندگی اور کرم کے ہاتھوں مجبور ناچار اور گنہگار ہو، بلکہ فطرتاً پاک وصاف اور بے عیب ہو، اب تم خود اپنے عمل سے خواہ اپنی صفائی اور پاکی کو برقرار رکھو یا نجس اور ناپاک بن جاؤ۔

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

قسم ہے تم پر زیتون کی اور سینا کی اور امن والے شہر مکہ کی کہ ہم نے انسان کو بہترین اعتدال پر پیدا کیا پھر ہم اس کو نیچے سے نیچے پہنچا دیتے ہیں، لیکن وہ جو ایمان اور جنہوں نے نیک عمل کئے۔

یہ بشارت محمدی ہے کہ انسان بہترین اعتدال اور راستی پر پیدا کیا گیا پھر وہ اپنے عمل کی بنا پر نیک و بد ہو جاتا ہے، خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا (شمس)

قسم ہے ہر نفس کی اور جب اس کو ٹھیک بنایا، پھر سمجھ دیدی بھلے اس کو بدی اور نیکی کی، تو کامیاب ہے، وہ جس نے اپنے نفس کو پاک رکھا اور ناکام ہوا وہ جس نے اس کو میلا کر دیا

اس سے زیادہ صاف دلیل اور کیا چاہیئے سورۂ دھر میں پھر آتا ہے۔

إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا (دہر ع ۱)

ہم نے انسان کو ایک بوند کے لچھے سے پیدا کیا ہم آزماتے رہے اس کو۔ پھر کر دیا اسکو سنتا دیکھتا انسان ہم نے اسکو سجھا دی راہ وہ حق مانتا ہے یا ناشکر ہے

سورہ انفطار میں ہے۔

يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ فِي أَيِّ صُورَةٍ مَا شَاءَ رَكَّبَكَ (انفطار ع ۱)

اے انسان کاہے سے دھوکے میں پڑا تو اپنے بخشش والے رب پر جس نے تجھکو پیدا کیا پھر تجھکو ٹھیک کیا پھر تجھکو برابر کیا جس صورت میں چاہا تجھکو جوڑ دیا

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی الہامی زبان میں دین، فطرت ایک ہی معنی کے دو لفظ ہیں، اصل فطرت دین ہے اور گنہگاری انسان کی ایک بیماری ہے جو باہر سے آتی ہے۔ قرآن مجید کہتا ہے۔

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ

سو تو باطل سے ہٹ کر اپنے آپکو دین پر سیدھا قائم رکھ وہی اللہ کی فطرت جس پر اسنے لوگوں کو بنایا خدا کے بنائے میں بدلنا نہیں یہی سیدھا دین ہے، لیکن بہت لوگ نہیں جانتے

(روم) بھات

پیغمبر اسلام علیہ السلام نے اپنے ایک پیغام میں اس آیت پاک کا مطلب پورا واضح کر دیا ہے، بخاری تفسیر سورہ روم میں ہے ما من مولود یولد الا علی الفطرۃ کوئی بچہ ایسا نہیں جو فطرت پر پیدا نہیں ہوتا لیکن ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا عیسائی بنا دیتے ہیں، جس طرح ہر جانور اصل میں صحیح سالم بچہ پیدا کرتا ہے کیا تم نے

دیکھا کہ کوئی کان کٹا بچہ بھی وہ جنتا ہے پھر اویر کی آیت پڑھی۔

غور کرو اس پیغام محمدی نے بنی نوع انسان کو کتنی بڑی خوشخبری سنائی ہے اور انسان کے دائمی غم کو کس طرح مسرت سے بدل دیا ہے اور ہر انسان کو اپنی زندگی کے عمل میں کس طرح آزاد بنا دیا ہے۔

۳۔ ظہور محمدیؐ سے پہلے دنیا کی یہ کل آبادی مختلف گھرانوں میں بٹی ہوتی تھی۔ ایک دوسرے سے نا آشنا تھی، ہندوستان کے تمام رشیوں اور منیوں نے آریہ ورت سے باہر خدا کی آواز کے لئے کوئی جگہ نہیں رکھی تھی، ان کے نزدیک پرمیشور صرف پاک آریہ ورت کے باشندوں کی بھلائی چاہتا تھا، خدا کی راہنمائی کا عطیہ صرف اسی ملک اور خاندان کے لئے محفوظ تھا، زرتشت خاک پاک ایران کی پاک نژاد کے سوا اور کہیں خدا کی آواز نہیں سنتا تھا، نبی اسرائیل اپنے خاندان سے باہر کسی رسول اور نبی کی بعثت اور ظہور کا حق نہیں سمجھتے تھے، یہ پیغام محمدیؐ ہی ہے جس نے پورب پچھم، اتر دکھن، ہر طرف خدا کی آواز سنی اور بتایا کہ خدا کی رہنمائی کیلئے ملک قوم اور زبان کی تخصیص نہیں، اس کی نگاہ میں فلسطین، ایران، ہندوستان عرب سب برابر ہیں، ہر جگہ اس کے پیغام آئے اور ہر طرف اس کی رہنمائی کا نور چمکا۔

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ (فاطر) — نہیں کوئی قوم لیکن اس میں گذر چکے ہیں ہشیار کرنے والے۔

وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (رعد) — اور ہر قوم کے لئے ایک رہنما آیا۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ — اور ہم نے تجھ سے پہلے کتنے رسول ان کے پاس بھیجے۔

اسی سورہ کے آخر میں ہے کہ پیغمبر اور اس کے پیرو۔

كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (بقرہ)

سب ایمان لائے خدا پر اس کے فرشتوں پر اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اس کے رسولوں میں باہم فرق نہیں کرتے

یعنی یہ نہیں کر سکتے کہ بعض پر ایمان لائیں اور بعض پر نہیں، تمام مسلمانوں کو حکم ہوتا ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ (نساء ع ۲۰)

اے ایمان لا چکنے والو ایمان لاؤ خدا پر اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اسنے اپنے رسول پر اتاری اور اس کتاب جو اس سے پہلے اتاری۔

عزیزو! دنیا کی اس روحانی مساوات اور انسانی اخوت اور برادری اور تمام سچے مذہبوں اور رہنماؤں اور پیغمبروں کے ساتھ یہ سچا ادب، تعظیم رواداری کا سبق پیغام محمدیؐ کے ذریعہ کے سوا اور کس طرح پہنچ سکا ہے؟ اب بتاؤ کہ پیغمبر اسلام کی رحمت ہمدردی عام اور رواداری کا دائرہ کتنا وسیع ہے کہ اس سے انسانوں کی کوئی بستی اور بنی آدم کا کوئی گھرانہ خالی نہیں۔

۴۔ تمام مذہبوں نے عبد و معبود اور خدا اور بندہ کے درمیان واسطے قائم کر رکھے تھے، قدیم بت خانوں میں کاہن اور پجاری تھے، یہودیوں نے بنی لاوی اور ان کی نسل کو خدا اور بندہ کے درمیان عبادتوں اور قربانیوں میں واسطہ بنایا تھا۔ عیسائیوں کے بعض حاریوں اور ان کے جانشین پوپوں کو یہ رتبہ دیا کہ وہ جو زمین پر باندھیں گے وہ آسمان پر باندھا جائے گا اور جو زمین پر کھولیں گے وہ آسمان پر کھولا جائے گا۔

ان کو تمام انسانوں کے گناہ معاف کرنے کا اختیار دیا گیا۔ ان کے بغیر کوئی عبادت نہیں ہو سکتی، ہندوؤں میں براہمن خاص خدا کے داہنے ہاتھ سے پیدا ہوئے ہیں خدا اور بندہ کے درمیان وہی واسطہ ہیں، ان کے وساطت کے بغیر کوئی ہندو عبادت نہیں ہو سکتی، مگر اسلام میں پجاریوں کاہنوں، پوپوں اور پادریوں کی کوئی جماعت نہیں ہے، یہاں پریسیٹ کلاس کا وجود نہیں، یہاں کھولنے اور باندھنے کا اختیار صرف خدا کو ہے، یہاں گناہوں کی معافی کا حق صرف اللہ کو ہے عبد و معبود اور خدا اور بندہ کی عبادت اور راز و نیاز میں کسی غیر کو دخل نہیں، ہر شخص جو مسلمان ہے نماز کا امام ہو سکتا ہے، وہ نکاح پڑھا سکتا ہے وہ مذہب کے تمام مراسم بجا لا سکتا ہے، یہاں انسانوں کو۔

اے لوگو! بلا واسطہ مجھے پکارو میں تم کو جواب دوں گا۔

کی صدا عام ہے، ہر شخص اپنے خدا سے ہر طرح باتیں کر سکتا ہے، اپنی دعاؤں میں اس کو پکار سکتا ہے، اس کے آگے جھک سکتا ہے اور دل کی عقیدت کے نذرانے پیش کر سکتا ہے، عبد اور معبود اور خدا اور بندہ کے درمیان کوئی متوسط اور دخیل نہیں، اور یہ سب سے بڑی آزادی ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ انسانوں کو عطا ہوئی اور خدا کے معاملہ میں انسان کی غلامی سے نجات ملی اور پیغام محمدیؐ نے بتایا کہ ہر انسان اپنے آپ کاہن، پریسیٹ، پوپ اور برہمن ہے۔

۵۔ انسانوں کی تعلیم و ہدایت کے لئے جو مقدس ہستیاں وقتاً فوقتاً آتی رہیں ان کے متعلق ابتدا سے قوموں میں حد درجہ عقیدتمندی کی افراط و تفریط رہی ہے افراط یہ تھی کہ نادانوں نے خود خدا یا خدا کا مثل یا خدا کا روپ اور مظہر ٹھہرایا، یا بل،

اسیریا اور مصر کے ہیکلوں میں کاہنوں کی شان خدائی نظر آتی ہے ہندوؤں میں وہ اوتار کے رنگ میں مانے جاتے ہیں، بودھوں اور جینیوں نے اپنے اپنے بودھوں اور مہابیروں کو خود خدا تسلیم کر لیا، عیسائیوں نے اپنے پیغمبر کو خدا کا بیٹا ٹھہرایا دوسری طرف تفریط یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے نزدیک ہر وہ شخص جو پیشین گوئی کرتا ہے، خواہ گنہگار ہو، اخلاقی حیثیت سے قابل اعتراض ہو، خدا کی نگاہ میں اس کا کیسا ہی درجہ ہو، اس کا نیک اور معصوم تک ہونا بھی ضروری نہ تھا اس لئے موجودہ صحف بنی اسرائیل میں بڑے بڑے پیغمبروں کے متعلق ایسی حکایتیں ملتی ہیں، جو حد درجہ پست اور ناقابل ذکر ہیں، اسلام نے اس منصب عظیم کی صحیح حیثیت مقرر کی اور بتایا کہ نہ خدا ہیں اور نہ خدا کے مثیل ہیں نہ خدا کے اوتار ہیں نہ وہ خدا کے بیٹے اور رشتہ دار ہیں، وہ آدمی ہیں اور محض آدمی ہیں وہ بشر ہیں اور خالص بشریت کے جامہ میں ہیں، تمام انبیاءؑ بشر تھے اور آخری پیغمبرؐ نے خود اپنے متعلق کہا کہ میں بشر ہوں، کفار تعجب سے کہتے تھے اَبَشَرٌ رَّسُوْلٌ کیا بشر رسول ہو گا؟ اسلام کہتا ہے قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اور هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا کہہ دے اے پیغمبر! میں بھی تمہاری ہی طرح بشر ہوں۔ میں نہیں ہوں، لیکن بشر رسول۔

خدا کے کارخانے کی کوئی چیز بالذات اس کے اختیار میں نہیں اس کو بذاتہ کسی مافوق طاقت بشری پر قدرت نہیں جو کچھ ہے وہ خدا کے اذن و اجازت سے ہے وہ دیوتا اور اوتار نہیں۔

دوسری طرف یہ بتایا گیا ہے، کہ یہ گو انسان اور بشر ہیں، لیکن اپنے کمالات

کی حیثیت سے تمام انسانوں سے مافوق ہیں، وہ خدا سے مکالمہ کرتے ہیں، ان پر خدا
کی وحی نازل ہوتی ہے، وہ بے گناہ اور معصوم ہوتے ہیں تاکہ وہ گنہگاروں کے لئے
نمونہ بنیں، ان کے ہاتھوں سے خدا اپنے اذن اور اشارہ سے اپنی قدرت کے عجائبات
دکھاتا ہے، وہ لوگوں کو نیکی کی تعلیم دیتا ہے، ان کی تعظیم، پیروی اور اطاعت
سب لوگوں پر فرض ہوتی ہے، وہ خدا کے سچے اور مطیع بندے ہوتے ہیں، خدا ان
کو اپنی پیغمبری اور رسالت کے منصب سے سرفراز کرتا ہے۔

یہ ہے اعتدال اور درمیانی راہ جو پیغام محمدیؐ نے انبیاءؑ اور رسولوں کی
نسبت قائم کی ہے اور ہر قسم کی افراط اور تفریط سے پاک ہے اور اس مذہب
کے مناسب ہے جس نے دنیا میں توحید کی تکمیل کی۔

دوستو! آج کی مجلس نے طول پکڑا، ابھی کہنے کی بہت کچھ باتیں ہیں۔

"شب آخر گشتہ و افسانہ از افسانہ می خیزد"

انشاء اللہ آئندہ صحبت میں مزید معروضات پیش کروں گا، رات زیادہ
ہوگئی ہے اس لیئے اب آج کی مجلس اس دائمی اور کامل و عالمگیر کے درود و سلام پر
ختم ہوتی ہے۔

۸ — پیغامِ محمدیؐ

عمل

دوستو! آج میری اور آپ کی ایک ماہ ملاقات کا سلسلہ ختم ہو تا ہے، آج میری تقریر کی آٹھویں قسط ہے، میں نے چاہا تھا کہ ان دو اخیری تقریروں میں اسلام کے بنیادی امور کے متعلق تمام باتیں آپ کے سامنے پیش کر دوں مگر۔

صد سال می تواں سخن از زلف یار گفت

مسئلہ توحید کے متعلق تمام مذاہب میں جو حقیقت میں توحید ہی کا پیام لے کر اس دنیا میں آئے تھے، تین اسباب سے غلط فہمیاں اور گمراہیاں پیدا ہوئیں ایک جسمانی تشبیہ و تمثیل، دوسرے صفات کو ذات سے الگ اور مستقل ماننا اور تیسرے افعال کی نیرنگی سے دھوکہ کھانا، پیغام محمدیؐ نے ان گرہوں کو کھولا ان غلط فہمیوں کو دور کیا، اور ان حقیقتوں کو واضح کیا سب سے پہلے تشبیہ و تمثیل لیجئے۔

خدا کو خدا کی صفتوں کو خدا اور بندہ کے باہمی تعلقات کو واضح کرنے کے لئے خیالی یا مادی تشبیہیں اور تمثیلیں دوسرے مذاہب کے معتقدوں نے ایجاد کیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اصل خدا جاتا رہا، اور اس کی جگہ تشبیہیں اور تمثیلیں دوسرے مذاہب کے معتقدوں نے ایجاد کیں، نتیجہ یہ ہوا کہ اصل خدا تو جاتا رہا اور اس کی جگہ

تشبیہیں اور تمثیلیں خدا بن گئیں، انہیں تشبیہوں اور تمثیلوں نے مجسم ہو کر بتوں کی شکل اختیار کر لی۔ اور بت پرستی شروع ہو گئی، خدا کو اپنے بندوں کے ساتھ جو لطف وکرم ومحبت دیبا رہے، اس کو تشبیہ وتمثیل کے رنگ میں ادا کر کے اس کو مجسم کر دیا گیا، آرین قوموں میں چونکہ عورت محبت کی دیوی ہے اس لئے خدا اور بندہ کے تعلق کو ماں اور بیٹے کے لفظ سے ادا کیا گیا، اور اس لئے خدا ماما کی شکل میں آگیا بعض دوسرے ہندو فرقوں میں اس بے کیف محبت کو زن وشوہر اور میاں بیوی کے الفاظ میں ادا کیا گیا، سدا سہاگ فقیروں نے ساری اور چوڑی پہن کر اسی حقیقت کو نمایاں کیا ہے، رومیوں اور یونانیوں میں بھی عورت ہی کی شکل میں خدا ظاہر ہوا ہے، سامی قوموں میں عورت کا برملا ذکر تہذیب کے خلاف ہے اور اس لئے خاندان کی اصل بنیاد باپ قرار دیا گیا ہے، اس طرح بابل واسیریا وشام کے کھنڈروں میں خدا مرد کی صورت میں آتا ہے، بنی اسرائیل کے ابتدائی تخیل میں خدا باپ اور تمام فرشتے اور انسان اس کی اولاد بتائے جاتے ہیں، بعد کو باپ خدا کی اولاد صرف بنی اسرائیل قرار پاتی ہے، بنی اسرائیل کے بعض صحیفوں میں زن وشوہر کا تخیل بھی خدا اور بنی اسرائیل کے درمیان نظر آتا ہے، یہاں تک کہ بنی اسرائیل اور یروشلم بیوی فرض کی جاتی ہے اور خدا اس کا شوہر بنتا ہے عیسائیوں میں بھی باپ اور بیٹے کی تمثیل نے اصلیت اور حقیقت کی جگہ لے لی عربوں میں بھی اسی قسم کا تخیل تھا، خدا باپ تصور کیا جاتا تھا، اور فرشتے اس کی بیٹیاں، پیغام محمدی نے ان تمام تشبیہی اور تمثیلی صورتوں، طریقوں اور محاوروں کو ایک قلم موقوف کر دیا، اور ان کا استعمال شرک قرار دیا، اس نے صاف اعلان کیا

لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ (اس جیسی اور اس کی مثل کوئی چیز نہیں)، اس ایک آیت نے شرک کی بنیادوں کو ہلا دیا، پھر ایک اپنی سب سے چھوٹی سورۃ کے ذریعہ انسانوں کے سب سے بڑے وہم کو دور کر دیا۔

قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ اَللّٰہُ الصَّمَدُ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ

کہدے اے پیغمبر، اللہ پاک ہے، اللہ خود ہر چیز سے بے نیاز ہے (اور تمام چیزیں اس کی نیاز مند ہیں) وہ نہ جنتا ہے (جو اس کے اولاد ہو) اور نہ وہ جنا جاتا ہے (جو وہ کسی کی اولاد ہو کر پھر خدا ہو) اور نہ اس کا کوئی ہمسر (جو زن و شوہر کا رشتہ قائم ہو سکے)۔

اس ایک سورہ میں جو قرآن پاک کی سب سے چھوٹی سورہ ہے، توحید کی وہ نکھری ہوئی صورت ظاہر کر دی ہے جس کی بنا پر دین محمدی ہر قسم کے شرک کے مغالطوں سے پاک ہو گیا ہے۔

دوستو! اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ پیغام محمدی نے خدا اور بندے کے درمیان محبت پیار اور لطف و کرم کے تعلقات کو توڑ دیا ہے، نہیں، اس نے ان تعلقات کو زیادہ پیوستہ اور مضبوط کر دیا ہے، لیکن ان تعلقات کے ادا کرنے کی جو جسمانی تعبیریں انسانی رشتوں کی شکل میں تھیں، صرف ان کو توڑ دیا ہے، اس لئے اول تو یہ انسانی طریقۂ ادا حقیقت سے بہت کم رتبہ ہیں، یعنی ان کی نگاہ میں عبد و معبود کے درمیان جو تعلق ہے، اس کے مقابلہ میں باپ بیٹے، ماں، بیٹیاں یا زن و شوہر کا تعلق محض ہیچ کمزور اور بالکل کم درجہ ہے دوسرے یہ ان تعبیروں سے شرک کی غلطیاں رونما ہوتی ہیں، اسی لئے اس نے یہ کہا

اُذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ۔ تم اس طرح یاد کرو جیسے اپنے باپ
دادا کو یاد کرتے ہو، بلکہ اس سے بہت بڑھ کر یاد کرو، دیکھو کہ اس ایک آیت میں
محبت الٰہی کو ادا کرنا تھا تو یہ نہیں کہا کہ خدا تمہارے باپ، خدا اور باپ کے رشتہ کو
مشبہ اور مشبہ بہ نہیں بنایا، بلکہ خدا کی محبت اور باپ کی محبت کو باہم مشبہ اور
مشبہ بہ قرار دیا، اس سے یہ ظاہر ہوا کہ اس نے اس جسمانی رشتہ کو گو چھوڑ دیا لیکن
اس جسمانی رشتہ کی محبت کو باقی رکھا آگے بڑھ کر اس نے کہا، بلکہ باپ سے بہت
زیادہ خدا سے محبت رکھنی چاہیئے۔ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا اس سے ظاہر ہوا کہ اس رشتہ
کی محبت کو وہ خدا اور بندہ کی محبت اور تعلق کے مقابلے میں کم رتبہ اور ہیچ سمجھتا
ہے اور اس میں ترقی کی ضرورت محسوس کرتا ہے وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا
لِّلّٰهِ ایمان والے سب سے زیادہ خدا سے محبت رکھتے ہیں۔ اسلام خدا کو اَبُو الْعَالَمِیْن
دنیا کا باپ نہیں کہتا بلکہ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ دنیا کا پالنہار کہتا ہے کیونکہ اس
کی نگاہ میں آب سے رب کا رتبہ بہت بلند ہے باپ کا تعلق بیٹے سے آنی اور
عارضی ہے مگر رب کا تعلق اپنے مربوب سے اس کی خلقت اور وجود کے اولین لمحہ
سے لے کر آخری لمحہ تک برابر بلا انقطاع قائم رہتا ہے، اسلام کا خدا ودود
ہے یعنی محبت والا، رؤف ہے ایسی رافت اور محبت والا جو باپ کو اپنے بیٹے سے
ہے، حنان ہے یعنی ایسی محبت والا ہے جیسی ماں کو اپنے بیٹے سے ہے مگر وہ نہ باپ
ہے اور نہ ماں بلکہ ان تشبیہوں سے پاک ہے۔

حضرات! قدیم مذاہب کے عقیدۂ توحید میں غلط فہمیوں کا دوسرا سبب
مسئلہ صفات ہے یعنی ذات الٰہی سے الگ مستقل وجود کے طور پر ان کو تسلیم کرنا

ہندوؤں کی عام مذہب ہیں جو خداؤں کا لاتعداد لشکر نظر آتا ہے وہ حقیقت ہیں
اسی غلطی کا نتیجہ ہیں کہ ہر ایک صفت کو انہوں نے علیحدہ اور مستقل وجود مان لیا اور
اس طرح ایک خدا کے ۳۳ کروڑ خدا بن گئے، تعداد کو چھوڑ کر صفات کی تشبیہ و تمثیل
بھی مجسم کر کے پیش کر دی ہے، خدا کی عظیم صفت قوت کو ظاہر کرنا تھا تو انہوں نے
اسے واقعی ہاتھ کر دیا، اس کی حکمت بالغہ کو سمجھنا تھا تو ایک سر کے بجائے دوسری
مورت کھڑی کر دی، پھر ہندو مذہب کے فرقوں پر غور کر جاؤ تو معلوم ہوگا کہ وہ یہی
مسئلہ صفات کا تجسیم اور مستقل وجود کے تخیل سے مختلف فرقوں میں بٹ گئے ہیں، خدا
کی تین صفتیں ہیں، خالقیت، قومیت اور ممیت، یعنی پیدا کرنے والا، قائم کرنے والا،
اور فنا کر دینے والا، ہندو فرقوں نے ان صفتوں کو تین مختلف مستقل شخصیتیں۔
تسلیم کر لیا، اور برہما، وشنو اور شیو یعنی خالق، قیوم اور ممیت تین مستقل ہستیاں
بن گئیں، اور برہمن، وشنو پرست اور شیو پرست تین الگ فرقے ہو گئے اور
تینوں کے پوجنے والے الگ ہو گئے، لنگایت فرقے نے خالقیت کی صفت کو اپنا خدا
ٹھہرا کر مرد اور عورت کے آلات خلق کو اس خالق کا مظہر مان لیا اور ان کی تصویر
پوجا شروع کر دی۔

عیسائیوں نے خدا کی تین بڑی صفتوں یعنی حیات، علم اور ارادہ کو تین مستقل
شخصیتیں تسلیم کر لیا، حیات باپ ہے، علم روح القدس ہے اور ارادہ بیٹا ہے
اسی قسم کی چیزیں رومی اور یونانی اور مصری تخیل میں بھی ملتی ہیں لیکن محمد رسول اللہ
صلعم کے پیغام نے اس غلطی کا پردہ چاک کر دیا اور صفات کی نیرنگی سے دھوکہ کھا
کر ایک کو چند سمجھنا انسان کی جہالت اور نادانی قرار دیا، قرآن پاک نے کہا

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ سب خوبیاں اسی ایک پروردگار عالم اللہ کے لئے ہیں
وَلَہُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی سب اچھی صفتیں اسی کے لئے ہیں اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
اللہ ہی آسمان وزمین کا نور ہے، عرب میں اسی ہستی کو رحم سے متصف کرکے عیسائی
اس کو رحمان کہتے تھے عام مشرکین عرب اس کو اللہ ہی کہتے تھے، قرآن مجید نے کہا
قُلِ ادْعُوا اللّٰہَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَہُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی یعنی
اس کو اللہ کہہ کر پکارو یا رحمان کہہ کر، جو کہہ کر پکارو سب اچھے نام یا اچھی صفتیں
اس کی ہیں فَاللّٰہُ ھُوَ الْوَلِیُّ وَھُوَ یُحْیِ الْمَوْتٰی وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ. پس
خدا ہی پیارا ہے یا وہی کام بنانے والا ہے، وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے، اور وہی
ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اَلَآ اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ہشیار وہی خدا غفور
اور رحیم ہے بخشنے والا اور رحمت کرنے والا ہے ھُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰہٌ وَّ فِی
الْاَرْضِ اِلٰہٌ وَھُوَ الْحَکِیْمُ الْعَلِیْمُ (دخان) وہی آسمان میں خدا اور وہی زمین پر خدا
ہے، اور وہی حکیم وعلیم، حکمت والا اور جاننے والا ہے اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ
رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَھُمَا اِنْ کُنْتُمْ مُّوْقِنِیْنَ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ
یُحْیٖ وَیُمِیْتُ رَبُّکُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِکُمُ الْاَوَّلِیْنَ (دخان) وہی سننے والا علم
والا ہے، جو آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ آسمانوں اور زمین کے بیچ میں ہے سب
کا رب ہے اگر تم کو یقین آئے، اس کے سوا کوئی خدا نہیں وہی جلاتا ہے اور وہی مارتا
ہے وہی تمہارا اور تمہارے پہلے باپ دادوں کا رب ہے، یعنی وہی برہما ہے، وہی شیو
ہے وہی وشنو ہے، تینوں کی ایک ہی صفت ہے صفات کے تعدد اور اختلاف سے
موصوف میں تعدد اور اختلاف نہیں۔

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (جاثیہ ع ۴)

خدا ہی کے لئے سب خوبی ہے جو رب ہے آسمانوں کا، رب ہے زمین کا، رب سارے جہاں کا، اور اسی کو ہے سب بڑائی آسمانوں میں اور زمین میں اور وہ زبردست حکمت والا ہے

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ط هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ط (حشر)

وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی اللہ نہیں چھپے اور کھلے کا جاننا والا وہی ہے مہربان رحم والا، وہی اللہ جس کے سوا کوئی اللہ نہیں وہ بادشاہ ہے پاک ہے وہ صلح و امن ہے وہ امن دینے والا ہے، وہ پناہ دینے والا ہے وہ زبردست ہے وہ دباؤ والا ہے وہ بڑائیوں والا ہے پاک ہے اللہ ان باتوں سے جن کو یہ شرک اس کا شریک ٹھہراتے ہیں وہی جو خالق ہے، عدم سے لانے والا ہے جو صورت گری کرنے والا ہے، اسی کے لئے ہیں سب اچھے نام دیا سب اچھی صفتیں) جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے سب اس کی تسبیح پڑھتے ہیں اور وہی غالب اور دانا ہے۔

صاحبو! ان صفتوں والے خدا کو ہم نے صرف پیغام محمدیؐ کے ذریعہ جانا ورنہ دوسروں نے تو ذات صفات کو الگ کر کے ایک خدا کے چند ٹکڑے کر ڈالے تھے سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ سے یہاں مراد وہی شرک ہے جو صفات کو

ذات سے الگ کر کے لوگوں نے بنا دیا تھا، اس آخری پیغام نے بتایا کہ وہی اللہ ہے وہی خالق وہی باری ہے وہی مصور ہے وہی ملک ہے وہی قدوس ہے وہی مؤمن ہے وہی عزیز و جبار ہے اور وہی رحمان و رحیم ہے، ایک ہی ذات کی یہ صفتیں ہیں اور وہ ایک ہے۔

۳۔ حضرات! شرک کا تیسرا سرچشمہ افعال الٰہی کی نیرنگی ہے، لوگوں نے غلطی سے جانا کہ ان مختلف افعال کی کرنے والی مختلف ہستیاں ہیں تمام افعال کی دو بڑی تقسیمیں ہیں، ایک خیر اور ایک شر، یا یوں کہو کہ ایک اچھی اور دوسری بری، اس خیال سے کہ ایک ہی ذات سے خیر و شر کے دو متضاد کام نہیں ہو سکتے، زردشتیوں نے خیر اور اچھے کاموں اور اچھی چیزوں کے لئے الگ خدا اور برے کاموں اور بری چیزوں کے لئے الگ خدا ٹھہرایا، پہلے کا نام یزداں اور دوسرے کا نام اہرمن کی باہمی کشمکش کا معرکہ گاہ ٹھہرایا، یہ غلطی اس لئے ہوئی کہ خیر و شر کی حقیقت نہیں سمجھ سکے۔

دوستو! خیر و شر دنیا میں کوئی چیز نہیں ہے، کوئی شے اپنی اصل کے لحاظ سے نہ خیر ہے نہ شر، تم اپنے استعمال سے اس کو خیر یا شر بنا دیتے ہو، تلوار خود نہ خیر ہے نہ شر تم اس کو جیسا استعمال کرو ویسی ہی ہے، تاریکی نہ خیر ہے نہ شر، اگر تم اس کو لوگوں کے گھر میں چوری کا ذریعہ بناؤ تو شر۔ اور اگر اپنے کو چھپا کر نیکیوں کے کرنے کا وقت بناؤ یا انسان کے حواس کے آرام و سکون اور راحت کا ذریعہ بناؤ تو خیر ہے۔

خدا نے یہ کائنات بنائی، آسمان بنایا، زمین بنائی، مادہ کو خلق کیا اشیاء میں خاصیتیں رکھیں اور ان کو مختلف قوتیں بخشیں، پھر انسان کو بنایا، انکو دل دماغ بخشا، عقل و حکمت دی، اب دیکھو کہ ایک انسان اس کائنات کی ترتیب، اشیاء کی ترکیب اور خاصیتوں کو دیکھ کر ایک خالق و قادر کی صنعت کاری اور صورت گری پر تعجب کرتا ہوا أَفِي اللَّهِ شَكٌّ "حق الیقین" پڑھ کر حضرت ابراہیم کی طرح یہ پکار اٹھتا ہے وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ میں نے اپنا چہرہ سب طرف سے پھیر کر اس ذات کی طرف کر لیا جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا، اور میں مشرکوں میں نہیں، دوسری طرف اسی مادہ اور اس کی قوتوں اور خاصیتوں کی ظاہرداریوں میں پھنس کر انسان کے دل و دماغ کی عقل و حکمت خدا کا انکار کر بیٹھتی ہے اور مادہ ہی کو اصل کائنات اور علت العلل سمجھ بیٹھتی ہے اور یہ کہہ اٹھتی ہے وَمَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ (جاثیہ) اس دنیاوی زندگی کے علاوہ پھر کوئی دوسری زندگی نہیں ہم مرتے اور جیتے ہیں اور ہم کو زمانہ کے سوا کوئی نہیں مارتا۔ کائنات اور اس کے عجائبات اور خواص ہر شخص کے سامنے ایک ہی ہیں، البتہ دماغ ہزاروں ہیں، اسی کو دیکھ کر ایک دماغ خدا پرست ہو جاتا ہے اور دوسرا گمراہ اور دہریہ بن جاتا ہے، غور کرو تو معلوم ہوگا کہ ایک ہی چیز ہے جو ہدایت کرنے والی اور گمراہ کرنے والی دونوں ہے یا یوں کہو کہ کائنات اپنی اصل کے لحاظ سے نہ ہدایت کرنے والی ہے نہ گمراہ کرنے والی ہے، تم اپنی عقل کے اختلاف سے ہدایت پاتے ہو یا گمراہ ہو جاتے ہو تو گویا ایک ہی کائنات ہادی بھی ہے اور مضل بھی ہے جس طرح خدا کے اس کلام

(پلاہ) کے دونوں نتیجے ہیں، اسی طرح خدا کے پیغام کے بھی دونوں نتیجے ہیں اسی قرآن مجید یا انجیل کو پڑھ کر ایک انسان خدا کو پہچانتا ہے اور تسلی پاتا ہے اور دوسرے کے دل میں شبہے پیدا ہوتے ہیں، خطرات آتے ہیں اور انکار کی طرف مائل ہو جاتا ہے پیغام ایک ہے البتہ دل دو ہیں، اور یہ دونوں دل اور دونوں دماغ ایک ہی خالق کے مخلوق ہیں دو خالق نہیں ہیں نتیجہ کیا نکلا؟ یہ نکلا کہ افعال کی دوئی فاعل کی دوئی کی دلیل نہیں، یہ تمام نیرنگیاں ایک کے قدرت کے تماشے ہیں، خیر و شر دونوں اسی کے ہاتھ میں ہیں، ہدایت اور ضلالت دونوں ادھر ہی سے ہے۔

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ، اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (بقرہ)

اپنے اس کام کے ذریعہ خدا بہتوں کو راہ راست نہیں دکھاتا یا گمراہ کرتا اور بہتوں کو راہ راست دکھاتا ہے اور انہیں کو راہ راست نہیں دکھاتا جو خدا کے عہد کو باندھ کر توڑتے ہیں جو اس کو کاٹتے ہیں جس کے جوڑنے کا خدا نے حکم دیا ہے اور زمین میں فساد کرتے ہیں، یہی ہیں گھاٹا اٹھانے والے وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ (بقرہ) اور خدا کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔

ہدایت اور ضلالت دونوں کی علۃ العلل وہی ہے، مگر دونوں کے لئے ابتدائی محرکات تمہارے ہی سوسے ہیں، تم نے فسق کیا، قطع رحم کیا، فساد کیا، کفر کیا تو اس کے بعد ضلالت آئی، ضلالت پہلے اور فسق و فجور بعد میں نہیں آیا۔

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا (دھر)

ہم نے راستہ انسان کو دکھا دیا تو پھر وہ یا شکر گذار بن جاتا ہے، یا کافر کہلاتا ہے

تمام دنیا کی چیزوں کا وہی ایک خالق ہے۔

اَللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (رحمٰن) | ۱ الله تمہارا رب ہر چیز کا وہی خالق ہے اس کے سوا کوئی خالق نہیں۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ (صافات) | اور خدا نے تم کو پیدا کیا اور جو تم بناتے اس کو پیدا کیا۔

اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى (طٰہٰ) | اس نے ہر چیز کو پیدا کیا، پھر ہدایت دیدی۔

اب تم ہو جو اس کو ہدایت اور ضلالت اور خیر و شر بنا لیتے ہو اگر غلط راہ پر چلے تو ضلالت ہوئی، صحیح راہ پر چلے تو ہدایت ہوئی، صحیح مصرف میں استعمال کیا تو خیر ہوا، غلط استعمال کیا تو شر، ورنہ کوئی چیز اپنی اصل کی رو سے ہدایت ہے نہ ضلالت خیر ہے نہ شر، اس لئے خیر و شر دو چیزیں سمجھ کر دو خدا کی ضرورت نہیں، بلکہ ایک ہی خدا ہے، جو ان دونوں کا خالق ہے

هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ (فاطر ع ۸) | کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق ہے وہی تم کو آسمان اور زمین سے روزی دیتا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، تو تم کدھر الٹے جاتے ہو

خدا نے اپنا پیغام تمہارے سپرد کر دیا۔ اب تم اس کو مانو نہ مانو۔

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ (فاطر) | پھر ہم نے کتاب کا اپنے بندوں میں سے جن ان کو وارث بنایا تو ان میں کوئی اپنی جان کا ہو اکرتا ہے اور کوئی ان میں سے بیچ کی چال چلتا ہے اور کوئی خدا کے حکم سے خوبیاں لیکر آگے بڑھتا ہے

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا | اور جو پڑے تم پر کوئی مصیبت سو بدلہ اس کا

كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ (شوری)

ہے جو کمایا تمہارے ہاتھوں نے اور وہ معاف کرتا ہے بہت

فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا (شمس)

ہر نفس میں خدا نے اسکی گنہگاری اور نیکوکاری الہام کردی ہے تو جس نے اس نفس کو پاک کیا اس نے نجات پائی اور جس نے اس کو مٹی میں ملادیا وہ ناکام ہوا۔

حضرات! خدا کی عبادت ہر مذہب میں تھی اور ہے، لیکن قدیم مذاہب میں ایک عام غلط فہمی پھیل گئی تھی کہ مقصود اس جسم مادی کو تکلیف دینا ہے یا دوسرے لفظوں میں یہ کہو کہ یہ خیال پیدا ہو گیا کہ جس قدر اس ظاہری جسم کو تکلیف دی جائیگی اسی قدر روحانی ترقی ہوگی، اور دل کی اندرونی صفائی اور پاکی بڑھے گی، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہندوؤں میں عام طور سے یوگ اور عیسائیوں میں رہبانیت پیدا ہوئی اور بڑی بڑی مشکل ریاضتوں کا وجود ہوا، اور ان کو روحانی ترقی کا سمجھا گیا، کوئی عمر بھر نہانے سے پرہیز کرلیتا ہے کوئی عمر بھر ٹاٹ یا کمبل اوڑھ لیتا ہے، کوئی ہر موسم میں، یہاں تک کہ شدید جاڑوں میں بھی ننگا رہتا ہے، کوئی عمر بھر کھڑا رہتا ہے، کوئی عمر بھر غار میں بیٹھ جاتا ہے، کوئی عہد کرلیتا ہے کہ پوری زندگی صرف درختوں کی پتیاں کھا کر گذارے گا، کوئی عمر بھر تجرد میں گذار دیتا ہے، اور قطع نسل کو عبادت سمجھتا ہے کوئی ایک ہاتھ ہوا میں کھڑا کر کے خشک کر ڈالتا ہے، کوئی حبس دم اور سانس روکنے کو عبادت جانتا ہے، کوئی درخت میں الٹا لٹک جاتا ہے، یہ تھا مذہب پرستی کا اعلیٰ درجہ، اور روحانیت کی سب سے ترقی یافتہ شکل، پیغام محمدی نے آکر انسانوں کو ان مصیبتوں سے نجات دلائی اور بتایا کہ یہ روحانیت جسمانی تماشے ہیں۔

ہمارے خدا کو جسم کی شکل نہیں بلکہ دل کا رنگ مرغوب ہے۔ طاقت

سے زیادہ تکلیف اس کی شریعت میں نہیں۔

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا — خدا کسی جان کو اسکی وسعت سے زیادہ حکم نہیں دیتا۔

یہ اس کا اصول ہے، پھر اس رہبانیت کو اس نے بدعت قرار دیا اور کہا۔

وَرَھْبَانِیَّۃَنِ ابْتَدَعُوْھَا مَا کَتَبْنٰھَا عَلَیْھِمْ (حدید) — اور رہبانیت جس کو عیسائیوں نے دین میں داخل کر دیا، اور ہم نے ان پر فرض نہیں کیا تھا

اور اعلان کیا۔

لَا رَھْبَانِیَّۃَ فِی الْاِسْلَامِ (ابو داؤد) — اسلام میں رہبانیت نہیں۔

ان لوگوں نے جنہوں نے خدا کی پیدا کی ہوئی جائز لذتوں کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا، ان سے اسلام نے یہ سوال کیا۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَۃَ اللّٰہِ الَّتِیْ اَخْرَجَ لِعِبَادِہٖ (اعراف) — کہو کس نے اللہ کی آرائش کو جو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کیا۔ حرام کیا۔

یہاں تک کہ خود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ اپنے اوپر شہد حرام کر لیا تو تنبیہ ہوئی۔

یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ (تحریم) — اے پیغمبر خدا نے جس کو تیرے لئے حلال کیا ہے اس کو حرام کیوں کرتا ہے۔

پیغام محمدی نے سب سے پہلی دفعہ دنیا کو بتایا کہ عبادت کا مقصود کیا ہے؟ اور وہ صرف یہ ہے کہ خدا کے آگے اپنی اجزی کا اظہار کیا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَھَنَّمَ دٰخِرِیْنَ (بقرہ) — جو میری عبادت سے سرکشی کرتے ہیں انقریب جہنم میں ذلت کے ساتھ داخل ہوں گے۔

عبادت کی غایت اور نتیجہ کیا ہے؟ فقط حصول تقویٰ۔

یَا اَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (بقرہ ع ۳)

اے لوگو! تم اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلوں کو پیدا کیا تاکہ تم کو تقویٰ حاصل ہو۔

نماز سے فائدہ۔

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ (عنکبوت)

یقیناً نماز تو کھلی ہوئی بدکاریوں اور ناپسندیدہ باتوں سے روکتی ہے۔

روزوں سے مقصود؟

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (بقرہ ع ۲۳)

اے مسلمانو! تم پر اسی طرح روزہ فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلوں پر فرض کیا گیا۔ تاکہ تم کو تقویٰ حاصل ہو۔

حج سے مطلب؟

لِیَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَیَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِیْۤ اَیَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِیْمَةِ الْاَنْعَامِ (حج)

تاکہ اپنے نفع کی جگہوں پر لوگ پہنچیں اور تاکہ چند معلوم دنوں میں جو جانوروں کی روزی اللہ نے ان کو دی ہے اس پر اللہ کو یاد کریں۔

زکوٰۃ سے مقصود اپنے دل کی صفائی اور غریبوں کی مدد ہے۔

اَلَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰى وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤى اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى (والیل)

جو دیتا ہے اپنا مال دل کی صفائی کرنے کو اور اس لئے کہ کسی کا احسان اس کے ذمہ ہے جس کا بدلہ چکانا صرف خدائے برتر کی طلب رضا مقصود ہے۔

نکاح کرنا اور نسل کو ترقی دینا واجب بتایا گیا، اسلام کے پیغمبر نے فرمایا۔

اَلنِّکَاحُ مِنْ سُنَّتِیْ وَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ

نکاح میرا طریقہ ہے اور جس نے میرے طریقہ سے اعتراض کیا وہ مجھ سے نہیں۔

قرآن مجید نے اولاد و ازواج کو آنکھوں کی ٹھنڈک بتایا اور مسلمانوں کو اس خواہش کا متمنی قرار دیا۔

وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّیّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْیُنٍ (الفرقان ع ۶)

اور جو لوگ کہتے ہیں ہم کو ہماری بیبیوں اور بچوں کے ذریعہ سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا کرنا۔

حضرات! منجملہ عبادتوں کے ایک عبادت قربانی بھی تھی۔ لوگ اپنے آپ کو دیوتاؤں پر قربان کر دیتے، اپنی اولاد کو اپنی ملک سمجھتے اور ان کو بھینٹ چڑھا دیتے تھے، دیوتاؤں کو خون کے چھینٹے دیئے جاتے تھے، جو جانور قربان کیئے جاتے تھے ان کا گوشت جلایا جاتا تھا کہ اس کا دھواں دیوتاؤں کو خوش آتا تھا، یہودی بھی قربانی کی گوشت کو جلاتے تھے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر بتایا کہ قربانی عبادت کا مقصود کیا ہے، آپ کے پیغام نے انسانوں کی قربانی قطعاً موقوف کر دی، جانوروں کی قربانی جائز رکھی، مگر اس کے خون کے چھینٹے دینے کا، نہ گوشت جلانے کا حکم دیا، اس نے کہا۔

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَکُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَکُمْ فِیْهَا خَیْرٌ فَاذْکُرُوْا

اور حج کی قربانیوں کو تمہارے لیے اللہ کے نام کی نشانی بنائی، تمہارے لئے ان قربانیوں میں

اسْمَ اللّٰہِ عَلَیْھَا صَوَآفَّ ج فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُھَا فَکُلُوْا مِنْھَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ط کَذٰلِکَ سَخَّرْنٰھَا لَکُمْ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ۰ لَنْ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُھَا وَلَا دِمَآؤُھَا وَلٰکِنْ یَّنَالُہُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ ط کَذٰلِکَ سَخَّرَھَا لَکُمْ لِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَا ھَدٰکُمْ ط وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِیْنَ (حج ع ۵)

بھلائی ہے تو ان پر اللہ کا نام پڑھو قطار باندھ کر اور جب وہ ذبح ہو چکیں تو ان میں سے کچھ تم خود کھاؤ، اور سب صابر اور بیقرار غریبوں کو کھلا دو، اسی طرح ہم نے تمہارے بس میں دیا ہے ان جانوروں کو تاکہ تم ہمارا شکرادا کرو، ہرگز اللہ تعالیٰ کو ان قربانیوں کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا لیکن تمہارے دل کا تقویٰ اس کو البتہ پہنچتا ہے اسی طرح ان کو تمہارے بس میں دیا تاکہ اسبات پر کہ خدا نے تم کو راہ سوجھائی اس کی بڑائی کرو اور نیکی والوں کو اے پیغمبر! بشارت سنادیجئے

صاحبو! اسی قربانی کے غلط عقیدہ نے یہ مسئلہ پیدا کر دیا ہے کہ ہر انسان کو اپنی جان پر آپ قابو ہے اور وہ اس کی ملکیت ہے، اسی طرح اس کی اولاد کی جان بھی اس کی ملکیت ہے، بیوی کی جان اس کے شوہر کی ملکیت ہے، اس ایک غلط اصول نے خودکشی، دخترکشی، اولاد کو بھینٹ چڑھادینا، انکو مار ڈالنا، اور شوہر کے مرنے کے بعد بیوی کا ستی ہو جانا، سینکڑوں انسانیت کش رسوم پیدا کر دیئے تھے پیغام محمدیؐ نے ان سب کی بیخ کنی کر دی، اس نے اپنا اصول یہ مقرر کیا کہ تمام جانیں صرف اللہ کی ملکیت ہیں، اور ان کا قتل صرف خدا کے حق کی بنا پر ہو سکتا ہے، اسی لئے غیر خدا کے نام پر جو جانور بھی ذبح کیا جائے گا اس کا کھانا بھی ناجائز ہے، خودکشی کرنے والوں پر اس نے اپنی جنت بھی حرام کر دی، اسلام کے سوا تمام دنیا میں اور اس وقت بھی یورپ اور امریکہ جیسے مہذب ملکوں میں خودکشی مصائب سے بچنے کی بہترین تدبیر سمجھی جاتی ہے، قانون اسکو روکنا چاہتا ہے، اور انہیں

روک سکتا، اس لئے کہ ہر شخص اپنی جان اپنی ملکیت سمجھ رہا ہے، اور دنیا کی مصیبتوں سے چھٹکارے کا ذریعہ یقین کررہا ہے، اور سمجھتا ہے کہ اس کی موت کے بعد یا کوئی زندگی نہیں، اور اگر زندگی ہے تو خدا ہم سے ہمارے اس فعل کی کوئی بازپرس نہ کرے گا، مگر اسلام نے بتایا کہ اس کے ذریعہ مصیبتوں سے چھٹکارا۔ یہ خیال غلط ہے، دوسری دنیا میں اس طرح سے اپنی جان دینے پر ان مصیبتوں سے بھی زیادہ پرمصیبت زندگی شروع ہو جائے گی۔

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا وَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيهِ نَارًا

اور نہ مارو جان جو منع کی ہے اللہ نے مگر حق پر اور اپنے آپ کو نہ مارو۔ خدا تم پر مہربان ہے اور اس لئے مہربانی کے سبب تم کو یہ حکم دیتا ہے) اور جو خدا کے حکم سے آگے بڑھ کر اور اپنے آپ پر ظلم کر کے ایسا کرے گا تو اس کو دوزخ کی آگ میں بھگائیں گے۔

دختر کشی عرب میں جاری تھی، ہندوستان کے راجپوتوں میں جاری تھی، دنیا کے اور ملکوں میں جاری تھی، عرب یمن میں تو یہ سنگدلی تھی کہ لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے، پیغام محمدیؐ کے ایک فقرے نے اس رسم باطل کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا۔

وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ (تکویر)

اور جس دن زندہ دفن کی جانے والی لڑکی سے پوچھا جائے کہ وہ کس گناہ میں ماری گئی۔

اپنی اولاد کو قتل کرنا عرب میں جرم نہ تھا، آج بھی اس تہذیب کے عالم

میں کثرت سے بچے اس لئے قتل کر دیئے جاتے تھے کہ ان کی پرورش کا ان کے پاس
سامان نہیں، کہا جاتا ہے کہ ملک کی پیداوار کم ہے، اس لئے مردم شماری کو
بڑھنے سے روکنا چاہیئے، عرب میں اور دوسری قوموں کے قانون میں بچہ کے
پیٹ سے گرا دینے یا اپنے بچہ کے قتل پر کوئی پرسش نہ تھی، یونان میں نو مولود بچوں
کا معائنہ کیا جاتا تھا، اور ان میں سے کمزور بچوں کو جینے کا کوئی حق نہیں سمجھا جاتا تھا
اور ان کو پہاڑ سے نیچے گرا کر مار ڈالتے تھے۔

اسلام نے یہ اصول بتایا کہ روزی کوئی کسی کو نہیں دیتا۔ وَمَا مِنْ
دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا۔ کوئی چلنے والا نہیں زمین پر لیکن اس کی
روزی خدا پر ہے۔

اسی لئے اس نے کہا۔

وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ	اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے نہ مار ڈالو
إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ	ہم روزی دیتے ہیں ان کو اور تم کو
وَإِيَّاكُمْ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْئًا	بے شک ان کا مارنا بڑی غلطی
كَبِيرًا (بنی اسرائیل)	ہے ...

حضرات! دنیا کی عظیم الشان غلطیوں میں سے جو اب بھی دنیا کے اس حصہ
میں قائم ہیں، جہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام قبول نہیں کیا گیا ایک یہ ہے
کہ لوگوں نے خدا کے بندوں کے درمیان حسب و نسب، مال و دولت، رنگ و
روپ، شکل و صورت کی دیواریں قائم کر دی ہیں، ہندوستان نے ابتدا سے
آج تک اپنے سوا سب ملیچھ اور ناپاک قرار دیا، اور خود اپنے کو چار ذاتوں میں
تقسیم کر کے ان میں عزت اور حقوق کی ترتیب قائم کی شودروں کو مذہب کا
بھی حق نہ تھا، قدیم ایران میں بھی چار ذاتیں اسی طرح قائم کی گئیں، اور منس

نے اپنے کو آقائی اور اپنے سوا سب قوموں کو غلامی کے لئے مخصوص کر لیا نبی اسرائیل نے صرف اپنے آپ کو خدا کی اولاد قرار دیا، اور سب کو جنسل قرار دیا اور خود اپنی قوم کے اندر بھی مختلف بیرونی مدارج قائم کر دیئے تھے، خود یورپ کا باوجود ہمہ دعوائے تہذیب و محبت النسانی کیا حال ہے، سپید آدمی تہذیب و تمدن کا ٹھیکیدار اور اس بار گراں کا امین قرار دیا گیا، کالی قومیں اس کی برابری کے لائق نہیں، ایشائی قومیں ان کے ساتھ سفر میں بھی ایک جگہ نہیں بیٹھ سکتیں ان کے حقوق کی برابری نہیں کر سکتیں، امریکہ کے انسانیت پرستوں کی نگاہ میں وہاں کے حبشی باشندوں کو جینے کا بھی حق نہیں ہے اور جنوبی و مشرقی افریقہ میں تو حبشیوں بلکہ ہندوستانیوں بلکہ ایشائیوں کو بھی انسانی حقوق کی برابری نہیں مل سکتی، حقوق دنیاوی سے گذر کر یہ تفرقے خدا کے گھروں میں قائم ہیں، کالوں کے گرجے الگ ہیں اور گوروں کے الگ، خدا کے یہ دونوں کالے اور گورے بندے ایک ساتھ ایک خدا کے آگے نہیں جھک سکتے، پیغام محمدیؐ نے ان تمام تفرقوں کو مٹا دیا، اس کے نزدیک حسب و نسب، مال و دولت، شکل و صورت ان میں سے کوئی امتیاز پیدا نہیں کر سکتی، وہ قریش جن کو اپنے حسب و نسب پر غرور و ناز تھا فتح مکہ کے دن کعبہ کے حرم میں کھڑے ہو کر ان کو آپ نے بتایا۔

یا معشر قریش! ان اللّٰہ قد اذھب عنکم نخوۃ الجاھلیۃ وتعظمھا بالاٰباء الناس من اٰدم واٰدم من تراب (ابن ہشام)	اے قریش کے لوگو! اب جاہلیت کا غرور اور نسب کا فخر خدا نے مٹا دیا تمام انسان آدم کی نسل سے ہیں اور آدم مٹی سے بنے ہیں۔

حجۃ الوداع کے مجمع میں پھر اعلان کیا۔

لیس للعربی فضل علی العجمی ولا للعجمی فضل علی العربی کلکم ابناء اٰدم و اٰدم من تراب (مسند احمد)

عرب کو عجم پر اور عجم کو عرب پر کوئی فضیلت نہیں ہے تم سب کے سب آدم کے بیٹے ہو، اور آدم مٹی سے بنے تھے۔

پھر بتایا کہ اصلی فرق عمل کا ہے اور دل کا۔

ان اللّٰہ اذھب عنکم عبیۃ الجاھلیۃ وفخرھا بالاٰباء انما ھو مومن تقی و فاجر شقی الناس کلھم بنو اٰدم و اٰدم خلق من تراب (ترمذی وابوداؤد)

خدا نے جاہلیت کے زمانہ کے غرور اور نسب کے فخر کو مٹا دیا انسان اب یا متقی ایمان دار ہے یا گنہگار بدبخت ہے تمام انسان آدم کے بیٹے ہیں اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے۔

وحی محمدی نے تمام دنیا کو مخاطب کر کے بتایا۔

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَ جَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (حجرات ع ۲)

اے انسانو! تم سب کو خدا نے ایک ہی مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو قبیلہ اور خاندان اس لئے بنا دیا ہے تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو خدا کے نزدیک سب سے شریف وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا۔

وَ مَآ اَمْوَالُکُمْ وَ لَآ اَوْلَادُکُمْ بِالَّتِیْ تُقَرِّبُکُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓی اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِکَ لَھُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا (سبا ع ۱۵)

نہ تمہاری دولت اور تمہاری اولاد وہ چیز ہے جو تمہارا درجہ ہمارے پاس نزدیک کر دے لیکن جو کوئی ایمان لایا اور اس نے اچھا کام کیا، ان کو ان کے کا دونا بدلہ ملے گا۔

تمام مسلمانوں کو بھائی بھائی کا رتبہ دیا، اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ۔ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں، وحی الٰہی نے کہا، اور آپ نے اسی کے مطابق حجۃ الوداع اعلان کیا کہ اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، اس مساوات برابری اور برادری نے کالے گورے، عجمی عربی، ترکی تاتاری، زنگی اور فرنگی کا فرق اٹھا دیا فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖ اِخْوَانًا خدا کے فضل سے تم سب کے سب بھائی ہو گئے، خدا کے گھر میں کوئی فرق نہیں، خدا کے آگے سب برابر ہیں، یہاں نہ کوئی برہمن ہے نہ شودر، قرآن پاک سب کے ہاتھ میں دیا جائے گا، نماز سب کے پیچھے پڑھی جاتی ہے گی، رشتہ ناتہ ہر ایک سے ہو سکتا ہے، علم ہر ایک کا حق ہے اور حقوق سب کے یکساں ہیں، یہاں تک کہ خون بھی سب کا برابر ہے اَلنَّفْسُ بِالنَّفْسِ جان جان کے بدلے۔

تیرے دربار میں آئے تو سبھی ایک ہوئے

عزیز نوجوانو! میرا دل چاہتا تھا کہ تمہارے سامنے پیغام محمدی کے احسانات کو ایک ایک کر کے گنا دوں، مگر افسوس کہ بقدر حوصلہ فرصت نہیں اور اس بحر ناپید کنار کی تھاہ بھی نہیں، عورتوں کو جو حقوق پیغام محمدیؐ نے دیئے ہیں، اور غلاموں کو جس حد تک اس نے عزت دی، جی چاہتا ہے کہ اس کو بھی تمہارے سامنے پھیلاؤں اور دکھاؤں کہ یورپ باایں ہمہ دعویٰ بلندی ہنوز اسلام کے اوج خیال سے نیچے ہے، مگر افسوس وقت نہیں۔

نوجوانو! بندرہ بیس منٹ جو وقت ہے اس کو بھی اسلام کی حقیقت کے اصلی راز کی پردہ کشائی میں صرف کرنا چاہتا ہوں، دنیا میں جس چیز نے سب سے زیادہ گمراہی پھیلائی وہ دین اور دنیا کا فرق ہے، دین کا کام الگ الگ کیا گیا، خدا کا حکم الگ ٹھہرایا گیا اور قیصر کا حکم الگ، دنیا کے حصول کا الگ

دین ایک الگ حقیقت ہے اور دنیا الگ ہے، دین کی ایک نئی دنیا ہے، اور دنیا ایک الگ عالم ہے، نونہالان اسلام! یہ سب سے بڑی غلطی تھی جو دنیا پھیلی تھی، اور جب غلطی کا پردہ پیغام محمدیؐ کی نورافگن شعاعوں نے چاک کر دیا ہے، اس نے بتایا ہے کہ پختہ یقین اور اخلاص اور نیک نیتی کے ساتھ اسی دنیا کے کاموں کو خدا کے بتائے ہوئے اصول کے مطابق انجام دینا ہی دین ہے، اور یہی دین ہے اور یہی ذریعہ دین کے حصول کا ہے، غرض خدا کے اصول کے مطابق دنیا داری ہی دین داری ہے، لوگ سمجھتے ہیں کہ ذکر و فکر، گوشہ نشینی وعزلت گیری، کسی غار اور پہاڑ کے کھوہ میں بیٹھ کر خدا کو یاد کرنا دینداری ہے، اور دوست واحباب، آل و اولاد، ماں و باپ، قوم و ملک اور خود اپنی آب مدد، فکر معاش اور پرورش دنیا داری ہے، اسلام نے اس غلطی کو مٹایا ہے، وہ انہیں حقوق و فرائض کو بخوبی ادا کرنے کا کام دین داری رکھتا ہے۔

اسلام میں نجات کا مدار دو چیزوں پر ہے ایمان اور عمل صالح ایمان پانچ چیزوں پر اعتقاد رکھنے کا نام ہے، خدا پر نیکی کی راہ بتانے والے پیغمبروں پر، خدا کا پیغام پیغمبروں تک لانے والے فرشتوں پر، پیغام الٰہی جن کتابوں میں ہیں، ان کتابوں پر اور اس پیغام محمدیؐ کے مطابق عمل کرنے والوں یا نہ عمل کرنے والوں کی جزاوسزا پر، انہیں پانچ چیزوں پر یقین رکھنا ایمان ہے جس پر عمل کی بنیاد قائم ہے اور جس کے بغیر نیک نیتی اور خلوص کے ساتھ کوئی عمل نہیں ہو سکتا، یہ قلب کا کام ہے۔

دوسری چیز عمل ہے، یہ ہمارے بیرونی واندرونی اعضاء کا کام ہے، ضروری ہے کہ ہمارے کام صالح ہوں، یعنی حکم الٰہی کے مطابق ہوں عمل

جیسا کہ میں نے ساتویں خطبہ میں کہا ہے، اس کے حصے ہیں اول عبادات یعنی وہ عمل جن کے ذریعہ خدا کی بڑائی اور اپنی عاجزی کا اظہار ہوتا ہے، معاملات۔ یعنی انسانوں کے آپس کے لین دین اور کاروبار اور نظم ملت کے قوانین اور قاعدے جن کی وجہ سے انسانی معاشرت بربادی اور ہلاکت سے بچی رہے، اور ظلم مٹ کر عدل قائم ہو، اور اخلاق یعنی وہ حقوق جو باہم ایک دوسرے پر گو قانونی حیثیت سے فرض نہیں ہیں مگر روح کی تکمیل اور معاشرت کی ترقی کے لئے وہ ضروری ہیں، ان چار چیزوں یعنی ایمان، عبادات، معاملات اور اخلاق کی سچائی اور درستی ہماری نجات کا ذریعہ ہے۔

نوجوانو! مجھے صفائی کے ساتھ یہ کہنے دو، کہ خاموشی، سکون، خلوت نشینی اور منفردانہ زندگی اسلام نہیں ہے، اسلام جدوجہد، سعی و عمل اور سرگرمی ہے، وہ موت نہیں وہ حیات ہے۔

لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی (نجم)

انسان کے لئے وہی ہے جو وہ کوشش کرے

اور

کُلُّ نَفْسٍ بِمَا کَسَبَتْ رَهِیْنَةٌ

ہر جان اپنے کام کے ہاتھوں گرو ہے

وہ سرتاپا جہاد اور مجاہدہ ہے، لیکن خلوت میں بیٹھ کر نہیں بلکہ میدان میں نکل کر، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تمہارے سامنے ہے، خلفائے راشدین کی زندگی تمہارے سامنے ہے، عام صحابہ رضی کی زندگی تمہارے سامنے ہے وہی تمہارے لئے نمونہ ہے اور اسی میں تمہاری نجات ہے

اور وہی تمہارا ذریعہ فلاح ہے، اور وہی ترقی اور سعادت کی راہ ہے، محمد صلعم کا پیغام بودھ کے پیغام کی طرح ترک خواہش نہیں ہے، بلکہ تصحیح خواہش ہے، محمد صلعم کا پیغام حضرت مسیح کے پیغام کی طرح دولت اور قدرت کی تحقیر اور ممانعت نہیں ہے، بلکہ ان کے حصول اور صرف کے طریقوں کی درستگی اور اس کے صحیح استعمال اور مصرف کا تعین ہے۔

دوستو! ایمان اور اس کے مطابق عمل صالح یہی اسلام ہے اسلام عمل ہے ترک عمل نہیں، وہ ادائے واجبات ہے، عدم واجبات نہیں ادائے فرض ہے، ترک فرائض نہیں، اس کی تشریح تمہارے پیغمبر کی زندگی اور سیرت میں ملے گی صحابہ کی زندگی اور سیرت میں ملے گی جس کا نقشہ یہ ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَہُمْ تَرٰہُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا (حجرات ۲۶)	محمد خدا کے رسول اور جو لوگ اسکے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت ہیں، آپس میں رحم دل ہیں، ان کو دیکھو گے کہ وہ رکوع اور سجدہ میں ہیں، وہ خدا کی مہربانی اور خوشنودی کو ڈھونڈھ رہے ہیں۔

کافران حق کے ساتھ مجاہدہ بھی قائم ہے، آپس میں برادرانہ الفت کے جذبات بھی ہیں، خدا کی جناب میں جھکے بھی ہیں اور پھر خدا کی مہربانی اور رضا کے بھی طالب ہیں، خدا کی مہربانی (فضل) قرآن پاک کی اصطلاح میں روزی اور معاش کو کہتے ہیں، اس روزی اور معاش میں بھی دین کی طلب جاری ہے۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا	یہ وہ لوگ ہیں جن کو تجارت اور خرید وفروخت

بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ   خدا کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔

تجارت خرید و فروخت اور کاروبار بھی جاری ہیں، اور خدا کی یاد بھی قائم ہے وہ ایک کو چھوڑ کر دوسرے کو نہیں ڈھونڈھتے بلکہ دونوں کو ساتھ

در کفے جام شریعت در کف سندان عشق

مسلمانوں اور رومیوں میں جنگ ہے، صحابہؓ فوج کے سپاہی ہیں، رومی سپہ سالار ان مسلمان سپاہیوں کی حالت دیکھنے کے لئے اسلامی کیمپ میں جاسوس بھیجتا ہے، وہ یہاں آکر اور مسلمانوں کو دیکھ کر واپس جاتے ہیں تو سرتاپا اثر میں ڈوبے ہوتے ہیں، وہ جا کر رومی سپہ سالار کو بتاتے ہیں، کہ مسلمان کیسے سپاہی ہیں ھُمْ بِاللَّيْلِ رُهْبَانٌ وَبِالنَّهَارِ فُرْسَانٌ وہ راتوں کے عابد ہیں اور دن کے شہسوار۔

دوستو! یہی اسلام کی زندگی ہے:

حضرات! آج سلسلہ تقریر کا آخری دن تھا، میرا خیال تھا کہ میں آٹھ تقریروں میں سیرت محمدیؐ اور پیغام محمدیؐ کے متعلق سب کچھ کہہ سکوں گا، مگر آٹھ تقریروں کے بعد بھی موضوع تفصیل کا تشنہ ہے، سب کچھ کہا مگر کچھ بھی نہ کہا ؎

دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر
ما ہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

وَآخِرُ دَعْوَانَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

Khud Bak – V – Madras

[illegible] Delhi [illegible]

[illegible] Tehb [illegible]

[illegible]

Khud Bak – V – Madras

[illegible] Delhi [illegible]

[illegible] Tehb [illegible]

[illegible]

Khud Bak – V – Madras

[illegible] Delhi [illegible]

[illegible] Tehb [illegible]

[illegible]

Kohinoor [illegible] Till pg. 25 AD)

(192 24 pages) [illegible] [illegible] Dhan

Khud bat V- Madras

[illegible]

[illegible]

[illegible]